

پست کی نظر اربیت کا پیسے بزر

طلوعِ علم

جولائی 1976

اُس پرچہ میں :

جماعتِ اسلامی اور صحابہ کبار

اگلے پرچہ میں :

معمار ان پاکستان کون تھے ؟

شائع کرنا ای راستہ طبع اسلام - جی ۲۵ - گارکن - لاہور

فہرستی پرچہ میں وہی پہلاں ہے

قرآنی نظاہرِ ربویت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

لارہور

پرنسپل اسٹرال	سالانہ	پاکستان — ایک روپیہ	بین الاقوامی — ۷ پونڈ	خط و کتابت	شیلیکنڈن	قیمت فی پرچہ
۱۰۰	۸۰۰	۸۰۰	۷۰۰	۲۵	۲۵	۱۰۰
شمارہ ۷	جولائی ۱۹۷۶ء	جولائی ۱۹۷۶ء	جولائی ۱۹۷۶ء	ناظم ادارہ طلوعِ اسلام	ٹوپی ڈھروپیہ	شمارہ ۷

فهرست

- | | |
|---|-------|
| ۱۔ محدثات | |
| ۲۔ حقائق دہبر (۱) غیر مسلم اقلیتیں - (۲) نظریہ پاکستان کا ارتقاء - (۳) رام داس نہیں | |
| ۳۔ علیہ الرحمٰن! (۴) دنیا کا نالا طیب یا غمرا (۵) نظریہ پاکستان کس نے دیا...؟ | |
| ۴۔ صحابہ کیا تو اور جماعتِ اسلامی | ۱ |
| ۵۔ قائدِ اعظم اور قرآن مجید (مولانا غلام مرشد) | ۳۰ |
| ۶۔ قصہ نماشی کتب کا | ۳۱ |
| ۷۔ نقد و نظر (پروفیسر دیوبند شہاب) | ۳۳ |
| ۸۔ مقامِ حدیث | ۳۶ |
| ۹۔ بنیم ذاکرہ (قطعہ دوم) (منعقدہ طلوعِ اسلام کنوریش اکتوبر ۱۹۷۵ء) | ۳۹ |

فتن کی رطام روپیت کا پیٹ بز

طاویل عالم

جولائی 1976

اس پر جد میر :

جماعت اسلامی اور صحابہ کبارؓ

اگلے پر جد میر :

معمار ان پاکستان کون تھے ؟

شائع کر دیا جائے طالع اعلیٰ م ۲۵ - جی - ڈبک - لاہور

یہی فوج خدا میں دینیہ پہنچ سے

قرآنی نظاہر دلوبیت کا پیامبر

طبع اسلام

لائلہ

قیمت فی پرچہ

۱ رہا

ٹیکلیفون

۸۰۰۰

پول اشتراک

سالانہ

پاکستان — ۸ روپیہ
بھرماں — ۷ پونڈ

خط و کتابت

ڈیر طبع دوپیہ

ناظم ادارہ طبع اسلام بی ۲۵ کلبگی لائلہ

شمارہ ۷

جولائی ۱۹۴۵ء

جلد ۴۹

فہرست

- ۱- ممات
- ۲- حقائق دعیر (۱) غیر مسلم اقلیتیں - (۲) نظریہ پاکستان کا انتقاد - (۳) رام داس نہیں
طہید الرحمن ! (۴) دنیا کا نالا خڑیا گھر ا (۵) نظریہ پاکستان کس نے دیا... ۷
- ۳- صحابہ کیا اور جماعتِ اسلامی
- ۴- قائدِ اعظم اور قرآن مجید (مولانا غلام مرشد)
- ۵- قصہ ناشی تسب کا ۱۴
- ۶- نقد در نظر (پروفیسر دینی اللہ شہباز) ستم
- ۷- مقامِ حدیث ۱۶
- ۸- بنیم ذاکرہ (قطعہ دوم) (منعقدہ طبع اسلام کتبیشن انقریب ۱۹۴۵ء) ۳۹

ٹپک اے شمع، آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے

سرابا در در ہوں، حضرت بھری ہے داستان میری!

بین تقسمہ مہند کے بعد، کراچی آئا تو ادھر اور ہم سے نئے پتے خاللوں نے بھی وہاں کامیاب کیا۔ انہی میں حیدر آباد (دکن) کے والی گورنمنٹ کے بھج۔ احمد مجی الدینی الفشاری۔ بھجی تھے۔ وہاں کی زندگی خوش حال ہیں اور سر بلند یونیورسٹی کے بھروسے چھوٹتی۔ یہاں آئئے قربے سر و سامان۔ لیکن قلب ایسا معلق تھا اور طبیعت ایسی مستحقی کہ کبھی جرف شکاریت زبان پر منہ آتا۔ میری فکر و تحریر سے پہلے سے آشنا تھے۔ ملے تو ایسی محبت اور گرم جوشی سے گواہ ساری ٹھرکے ساختی تھے۔ اس کے بعد یہ رعایت ایسے گھر سے ہوتے کہ۔ من قوشدم، قوم منشدی کا عالم ہو یا۔

تمہاری کشاور، قلب میں وسعت، مراجی میں انتہائی انکسار، علی بھر کے ساختہ فکر کی گہرائی مفرّقان سے واہیں شیشیں، عشقِ حضور درستہ کتاب سے سعینہ گداز۔ ایک بیس دلائیں۔ موندانہ صفات کے پیکر۔ تقدیر از جو حُرائقِ کسی کا نیکی دار۔

حوارث زبان نے آخری بھروس مختلف طواریں کی آجائگاہ بنا دیا۔ ان تمام مصادیب کو نہایت سکونی دی استigmat سے برداشت کیا۔ لیکن جب ہیناٹی کمزور ہوتے مگر قراس کا بے حد صدمہ ہوا اگر کہیں تذیرہ قران سے خود مڑہ چاؤں۔ ملاری سے کہہ افاقت ہوا تو قریب دوسراں تک کویا خلوت نشین سے ہو گئے۔ اندھا اس کے بعد، اچانک الہام دی کہ پرتوپریز صاحب! امبارک ہوئیں۔ نہ نہات القرآن کا انگریزی ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ کہا کہ میں نے جب محسوس کیا کہ ہیناٹی جارہی ہے تو فیصلہ کیا کہ جتنی بدت تک بھی حضرت چلت دے، اس ہیناٹی کو کسی بلند صرفت میں لانا چاہئے۔ بھر بھر کی آنند و خوشی کے نیمات القرآن کا انگریزی ترجمہ ہو جائے تو یہ قرآنی روشنی کے عام کرنے میں بڑی مدد و معاون تابت ہوگی۔ میں نے آپ سے اس کا نہ کرو اس لئے نہ کہو اک آپ چھے اس پر مشقت کو کہنی سے روک دیں گے۔ ملکہ الحمد کے میری یہ بھر بھر کی آنند پوری ہو گئی۔ اب اس مزید ہفت مل کی تو جی چاہتا ہے مذاہبِ القرآن کا بھی توحید کر دوں۔ لیکن عمر نے ایجاد کیا۔ اور ۲۹ مئی کو کریمی سے ایک رفیق نے یہ جگہ خراش خبر ناٹی کہ:-

حضر میں اک چراغ تھا نہ بیٹا۔

ٹھر بھر ساختی ایک ایک کر کے دھست ہوتے جا رہے ہیں اور میں شاخ خڑاں دیوں کے نہدیتے کی طرح تباہہ کیا جا رہا۔ نے صہا اختر مریم الفشاری اور ان کی بھیوں کیا اس خڑدہ کا پیغام تغیرت پہنچا جسے اور مرحوم کی روح سے کہا دے کہ ۵۰ چافی افسوس، مل جئے نگاہ بیو، نئے اوس اس۔ اک ترسے جاٹنے سے کیوں بدلاؤں کیا کیا ہو گیا خدا تیری خاک لد پر اپنے سماں بکرم کی ہارش پر سائے۔ طاب نہ وحسن مائب۔ جگر فیکار پسرو قبیلہ

ٹپک لے شمع، آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے

سر اپا درد ہوں، حضرت بھری ہے داستان میری!

میں تقبیح ہند کے بعد، کراچی آباد، دھر اور صر سے نئے پیٹے خانلوں نے بھی دہان کا سخ کیا۔ انہی میں، حیدر آباد (وکن) کے ایلی کورٹ کے بھج۔ احمد بھی الیین انصاری۔ بھی بھنے۔ دہان کی زندگی خوش حالیں اور سر بلندیوں کے بھوولے جھولنی۔ یہاں آئئے قربے سر دسماں، لیکن قلب ایسا مطہش اور طبیعت ایسی مستحقی کہ بھی بھر غرف شکایت دہان پہنہ آوا۔ میری فکر و تحریر سے پہلے سے آشنا تھے۔ ملے تو ایسی محبت اور گرم جوشی سے گویا ساری سحر کے سماحتی تھے۔ اس کے بعد یہ روابط ایسے گھر سے ہوتے کہ — من تو شدم، تو من شدی کا عالم ہو یا۔

لگاہ میں کشاور، تکب میں وسعت، مزارج میں انتہائی انکسار، علی شجر کے سالخہ فکر کی گہرائی، قرآن سے والہا شیفشوں، عشقِ حضور مسیح اپنے سینہ کداز۔ پاک ہیں دیکھاں۔ مومنانہ صفات کے پیکر۔ قلندرانہ جڑاں توں کے آنکھے،

حوارث زمانہ نے آخری سحر میں مختلف گواراض کی آجائگاہ بنا دیا۔ ان تمام مصائب کو فہرست سکولی ف استھانت سے یہ داشت کیا۔ لیکن جب ہنیاں کردار ہونے لگی فراس کا بے حد صدمہ ہوا کہ کہیں تذیر قرآن سے خود میں ہدھاؤں۔ مزارج سے کھڑا اناقتہ مذاقو قریب دو سال تک کو ریا خلوت نہیں سے ہو گئے۔ اور اس کے بعد، اچانک اطلاع دی کہ پرتوپیز صاحب، مبارک ہوئیں۔ لئے نہات القرآن کا انگریزی ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ کہا کہ میں نے جب محسوس کیا کہ ہنیاں بھاری سے تو فیصلہ کیا کہ جتنی بہت لکھی مظہر تھیں سے بھی مظہر جہالت دے، اس میانیاں کو کسی بلند مصرف میں لانا پا چئی۔ سحر بھر کی آنکھوں کی رغات القرآن کا انگریزی ترجمہ ہو جائے تو یہ قرآنی روشنی کے عام کرنے میں بڑی مدد و معاون ثابت ہوگی۔ میں نے آپ سے اس کا ذکر و اس لئے نہ کیا کہ آپ مجھے اس پر مشفت کو کہیں سے روک دیں گے۔ ملکہ الحمد کے میری یہ سحر بھر کی تذیر پوری ہو گئی۔ اب اگر مزید جہالت مل کی تو جی پاہتا ہے مطلب الفرقان کا بھی ترجمہ کر دوں۔ لیکن عمر نے ایخانہ کیا۔ اور ۲۶۹ میٹی کو کراچی سے ایک رفیق نے یہ جگہ خراش خبر سنا کی کہ:-

دھر میں اک چراغ نہیں ہے رہا۔

سحر بھر سماحتی ایک ایک کر کے دھرت ہوتے چار ہے ہیں اور یہیں شاخ خڑاں دیوں کے اندر ہتھے کی طرح تباہہ کیا جاوے۔ لئے صہا امکنہ سیکم افساری اور ان کی بچپوں کی اس غمزدہ کا پہنیام تغیرت پہنچا دے اور درجہ کی روح سے کہہ دے کہ ہے چنانی افسردہ، مگل بے نگاہی، لختے اُواس۔ ایک ترسے ہاتھ سے کیوں بدلاؤں کیا کیا ہو گیا۔

خدا تیری خاک کو لہر پاچنے سماجہ کرم کی ہاڑش پر ماستے۔ طاب فہ و حسن ماں۔ حکیم نجار
پیرو قریب

لِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ه

لمعت

گذشتہ میں، جماعتِ اسلامی کے زیرِ انتظام ملک کے (بتقول آن کے پانچ سو) دھکاء کی جرأتی فتویں منعقد ہوئی اس میں البر الاعلیٰ مودودی صاحب نے "تائیدِ انفظم" اور دیگر ذمہ دار ایساں تحریک پاکستان کے ہاتھ میں جس گستاخی کا مظاہر و کیا اس کے خلاف کچھ لکھنے کے لئے ہم نے دانستہ تاخیر سے کام بیا۔ کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ اُن کا دہ بیان مصطفیٰ طہ پر ہمارے سامنے آ جائے۔ فہ بیان "طاہر و بیکل" کے عالیے سے ۲۷ مئی ۱۹۶۷ء کے نواسے وقت (لایہور) میں بھی شائع ہوا ہے اور ۹ جنی ۱۹۶۸ء کے ایشیاوار (لایہور) میں بھی (جس میں تاخیر سے ملک) جریدہ ایشیاوار کے بیان کے مطابق مودودی صاحب نے یہ کہا تھا کہ یہ

یہاں معاملہ یہ ہے کہ پاکستان حاصل کرنے کے لئے ٹبیٰ کوششیں کی گئیں اور یہ حاصل ہیں تھے کیا گیا کہ ہم بیان اسلامی حکومت نافذ کریں گے۔ پاکستانی کا مطلب لا إله إلا الله بیان کیا گیا۔ لاکھوں آدمیوں کی جانیں کٹوادی گئیں۔ لاکھوں آدمیوں کی عزتیں غورا دی گئیں اور لاکھوں کی جانداریں تباہ کر دیں، یہ سب کمہ کرنے کے بعد جب تک حاصل ہوا تو اس کام کو چھوڑ دیا گیا جس کے لئے تک حاصل کیا گیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑا فراڈ دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا جو کیا گیا اور اس سے تباہہ دھوکہ بادی کوئی نہیں ہو سکتی کہ تک حاصل کرتے وقت توزیع اسلام کا دیا جائے، مگر پھر تباہہ کر دیا جائے کہ یہاں اسلام کو نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا۔

"طاہر و بیکل" میں شائع شدہ الفاظ یہ ہیں:

یہاں معاملہ بر عکس مفہا۔ لٹے اسلام کے نام پر۔ پاکستانی کا مطلب کیا لا إله إلا الله کے نام کے لئے جانیں۔ عزتیں اور جا شیداریں گنوادیں، غیکن جب موقر ہا اس کام کو چھوڑ دیا جس کے لئے تک حاصل کیا تھا۔ اس سے بڑا فراڈ اور دھوکہ بازی کوئی نہیں ہو سکتی کہ مطلوبہ سرزینی قائم ہونے کے فوراً بعد ہی یہ ارادہ کر دیا جائے کہ یہاں اسلام قائم نہیں ہو گا۔

سر زینی پاکستان کے حاصل ہونے کے فرما بعد جس لوگوں کے ہاتھ میں زمام اختارت آئی تھی ان میں قائدِ خلیم محمد علی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِمُعْتَدِلٍ

گذشتہ مئی میں، جماحت اسلامی کے زیر انتظام مک کے (بتول ان کے پانچ سو) دکлад کی جو کافر فرنی منعقد ہوئی اس میں البرالاعلیٰ مودودی صاحب نے قائدِ اعظم (اور دیگر ذمہ دارہ ایکان تحریک پاکستان کے ہاتھ میں جس گستاخی کا مظاہرہ کیا اس کے خلاف کچھ لکھنے کے لئے ہم نے دانستہ تائیر سے کام بنا۔ کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ ان کا وہ بیان مصدقہ طور پر ہمارے سامنے آجائے۔ فہ بیان "طاہر و بیکل" کے حوالے سے ۱۹۶۷ء کے نوازے وقت (لاہور) میں بھی شائع ہوا ہے اور ۹ مریٹی ۱۹۶۸ء کے ایشیاء (لاہور) میں بھی (جو بھیں تائیر سے ملے) جریدہ ایشیاء کے بیان کے مطابق مودودی صاحب نے یہ کہا تھا کہ بدیہاں معاملہ یہ ہے کہ پاکستان حاصل کرنے کے لئے بڑی کوششیں کی گئیں اور یہ حاصل اس سے کیا گیا کہ ہم یہاں اسلامی حکومت ناند کریں گے۔ پاکستان کا مطلب لا إله إلا الله
بیان کیا گیا۔ لاکھوں آدمیوں کی جانیں کٹوا دی گئیں۔ لاکھوں آدمیوں کی عزتیں گمراہی گئیں اور لاکھوں کی جانیں نباہ کر دیں، یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب مک حاصل ہوا تو اس کو چھوڑ دیا گیا جس کے لئے مک حاصل کیا گیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑا فرماڈ دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا جو کیا گیا اور اس سے زیادہ دھوکہ باڑھ کوئی نہیں ہو سکتی کہ مک حاصل کرنے وقت نہ نام اسلام کا دیا جائے، مگر پھر الادہ کر دیا جائے کہ یہاں اسلام کو نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا۔

"طاہر و بیکل" میں شائع شدہ مقاٹی یہ ہیں:-

یہاں معاملہ بر عکس تھا۔ لمے اسلام کے نام پر۔ پاکستان کا مطلب کیا لا إله إلا الله کے نام کے لئے جانیں۔ عزتیں اور بائیہا دین گنوادیں، نیکیں جب موقد ہا اس کام کو چھوڑ دیا جس کے لئے مک حاصل کیا تھا۔ اس سے بڑا فرماڈ اور دھوکہ باڑی کوئی نہیں ہو سکتی کہ مطلوبہ سرزی ہیں قائم ہونے کے خواہ بعد ہی یہ ارادہ کر دیا جائے کہ یہاں اسلام قائم نہیں ہو گا۔

مزید ہیں پاکستان کے حاصل ہونے کے فرماں بعد جس لوگوں کے ہاتھ میں نہ نام اقتدار آل غنی ان میں قائدِ اعظم محمد علی

جناب "سرپرست" تھے۔ وہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تھے۔ لہذا مددوی صاحب نے جو کہ اور کہا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے اقولیں ہفت خود قائمہ اعظم "تھے۔ مددوی صاحب سے متعلق تو ہم ذرا بعد میں کچھ عرض کریں گے، پہلے ہم ان پانچ سو دلائے حضرات کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں جو کانفرنس میں مشرک تھے۔ قائمہ اعظم "کو "بابائے قوم" یا "نادر آف دی نیشن" (قوم کا باپ) کہا جانا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قوم میں یہ پانچ سو دلائے حضرات بھی شامل ہیں ہم ان پانچ سو حضرات سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ کیا آپ قائمہ اعظم "کو "بابائے قوم" (القوم کا باپ) اور اس اعتبار سے خدا اپنا باپ سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو ذرا جرأت کر کے اس کا اعلان فرمادیجئے تاکہ قوم آپ کے متعلق کسی وصو کے میں نہ رہے۔ اور

۲۔ اگر آپ پوری قوم کی ہمنوائی میں قائمہ اعظم "کو اپنا باپ سمجھتے ہیں تو یہ فرمائیے کہ آپ کے سامنے ایک شخص آپ کے باپ کو سب سے بڑا خدا دیا اور دھوکہ باز کہتا ہے اور آپ (اگر تالیں بجا کر نہیں تو ہم اذکم) ہمایت خاموشی سے اسے سُن لیتے ہیں۔ ہم آپ سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ میں اتنی سی حیثیت بھی باقی نہیں رہی کہ ایک شخص آپ کے سہ پر آپ کے باپ کو اپنی کالیاں دے اور آپ اس بندہ گتھ کا منہ بندہ کریں۔ (راقباں) آپ کی حیثیت و حیثیت کا ہمی عالم ہے تو آپ خود سیچ لیجئے کہ دنیا سے انسانیت میں آپ کی مقام کیا ہے؟ — ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی — (واضح رہے کہ اس کانفرنس کی جو روئیداد "ایشخاء" میں شائع ہوئی ہے اس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ سامعین میں سے کسی ایک شخص نے بھی اس زمیں درازی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے)

اس کے بعد ہم قوم کے صاحبوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ بھی اب اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ آپ کے سامنے ہبائش قبیل کو فربی کر اور مختار کہا جائے اور آپ اس کا کوئی ذمہ نہ لیں؟ (جبکہ تک ہماری نگاہ ہماری یادوی کرتی ہے ایک آدھ اخبار کے سوسا کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا، اور جہنوں نے کچھ لکھا ہے وہ بھی اس انداز سے کہ — منہ موڑ کر ادھر کو بٹھا کے باقاعدہ حالانکہ ان اخبارات کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے کسی کام نگار کے خلاف کوئی دوسرا اخبار بلے ادبی کے دو لفظ کہ دیتا ہے تو اس کے خلاف نہیں جیسے اور پکار ہوئی رہتی ہے۔)

اور اس کے بعد ہم اپنی قوم سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا خدا نکردہ آپ اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جس کے شدید احساس سے متاثر ہو کر اقبال نے لہا لھا — حمیت نام مقاومت کا گئی نیمور کے گھر سے — اگر کیفیت یہی ہے تو پھر اس قوم کا بھی خدا حافظ اور اس کے ساتھ اس مددگرت کا بھی۔

اب رہے مددوی صاحب، تو ان کا مسئلہ واضح ہے، علم النفس (سائیکاروجی) کی تحقیق و تجزیہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ امراء مراج رکھنے والے لوگ اگر ہم افساد کی تسلیم میں ناکام رہیں تو انہم کا ریا تو وہ پاگل ہو جاتے ہیں اور یا خود کشی کر لیتے ہیں۔ مددوی صاحب کے امراء مراج کے متعلق دو آراء ہو

جناب "سرپرست" نے۔ وہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تھے۔ لہذا مودودی صاحب نے جو کچھ اور کہا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے اقلیں ہوت خود قائمِ اعظم ہے تھے۔ مودودی صاحب سے منتعل تو تم ذرا بعد میں کچھ عرض کریں گے پہلے ہم ان پانچ سو دکلائے حضرات کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں جو کافرنس میں شریک تھے۔ قائدِ اعظم کو "بابائے قوم" یا "نادر آفت دی شیش" (قوم کا باپ) کہا جانا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قوم میں ہے باقی سو دکلائے حضرات بھی شامل ہیں ہم ان پانچ سو حضرات سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ کیا آپ قائدِ اعظم کو "بابائے قوم" (قوم کا باپ) اور اس اعتبار سے خود اپنا باپ سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو ذرا جڑات کر کے اس کا اعلان فرمادیجئے تاکہ قوم آپ کے منتعل کسی دھوکے میں نہ رہے۔ اور

۲۔ اگر آپ پوری قوم کی ہمنوائی میں قائدِ اعظم کو اپنا باپ سمجھتے ہیں تو یہ فرمائیے کہ آپ کے سامنے ایک شخص آپ کے باپ کو سب سے بڑا فرماڑیا اور دھوکہ باز کہتا ہے اور آپ راگر تالیاں بھاگر نہیں تو کم اذکم) نہایت غاموشی سے اسے سن لیتے ہیں۔ ہم آپ سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ میں اتنی سی عیزت بھی باقی نہیں رہی کہ ایک شخص آپ کے منہ پر آپ کے باپ کو ایسی گالیاں دے اور آپ اُس بندہ گستاخ کا منہ بند نہ کریں۔ (اقبال) آپ کی عیزت و محبت کا ہی عالم ہے تو آپ خود سوچ لیجئے کہ دنیا سے انسانیت میں آپ کو مقام کیا ہے؟ — ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی — (واضح رہے کہ اس کافرنس کی جو بیویاد "ایشیاء" میں شائع ہوئی ہے اس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ سامعین ہیں سے کسی ایک شخص نے بھی اس زبانی درازی کے خلاف صدائے احتیاج بلند کی ہو۔)

اس کے بعد ہم قوم کے صحافیوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ بھی اب اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ آپ کے سامنے بابائے قوم کو فریبی اور مٹھاڑ کہا جائے اور آپ اس کا کوئی نوٹس نہ لیں؟ (جہاں تک ہماری نگاہ ہماری یادوی کرتی ہے ایک آدھ اخبار کے سوا کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا اور جنہوں نے کچھ لکھا ہے وہ بھی اس انداز سے کہ — منہ موڑ کر اُدھر کو ادھر کو بٹھا کے باقاعدہ حالانکہ ان اخبارات کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے کسی کام نگار کے خلاف کوئی دوسرا اخبار بلے ادبی کے دو لفظ کہہ دیتا ہے تو اس کے خلاف ٹھیکنہ اور پکار ہوئی رہتی ہے۔)

اور اس کے بعد ہم اپنی قوم سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا خدا نکرده آپ اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جس کے شدید احساس سے متاثر ہو کر اقبال نے لہا لہا — محبت نام مقا جس کا گلی نیمور کے گھر سے — اگر کیفیت یہی ہے تو پھر اس قوم کا بھی خدا حافظ اور اس کے ساتھ اس مددگر کا بھی۔

اب رہے مودودی صاحب، تو ان کا مسئلہ واضح ہے، علم النفس (سائیکولوجی) کی تحقیق و تجزیہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ آمرانہ مزاج رکھنے والے لوگ اگر ہر اقتدار کی تسلیم میں ناکام رہیں تو انہیم کار یا تو وہ باگل ہو جاتے ہیں اور یہ خود کشی کر لیتے ہیں۔ مودودی صاحب کے آمرانہ مزاج کے منتعل دو آثار ہو

نہیں سکتیں۔ اس کی شہادت خود ان کا سارا ماضی ہے۔ جہاں تک ان کی ہوں اقتدار کا لفظ ہے ان کی اپنی تحریریں اور جماعت اسلامی کی تاریخ اس کا ذرہ ثبوت ہے۔ اور اس باب میں جہاں تک ان کی مالیوسی کا لفظ ہے وہ بھی ڈھنی چھپی نہیں۔ ۱۹۶۷ء کے ایک دن قبل انہوں نے فرمایا تھا کہ کل کے الیکشن کے نتائج خود بتا دیں گے کہ اقتدار کس جماعت کے ہاتھ میں ہوگا اور اس میں انہیں جس قدر ناکامی اور نامرادی ہوئی اس کی مثال بھی شاید ہی کہیں اور ملے۔ اس سے ان کا ماضی تو انہیں جس حد تک بگڑا تھا اس کا اندازہ اس سے لگائیں گے کہ انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں ایسی شکست ہو گئی ہے تو یہ کوئی بیرونی عواملی یا اس کا اندیشہ گذرا سے ہیں کہ جو ساری عمر جہد و جہد کرنے رہے لیکن انہیں (معاذ اللہ) ایک بھی متنبی نہ مل سکا۔ علم النفس کے کسی ماہر سے پوچھئے وہ اسے اگر پاکین پر نہیں تو اور کیا فزادت گا؟ جملہ جوں ان کی سخت برہضتی اور مالیوسی شدید ہو جا رہی ہے ان کا یہ پاکلہ بھی اسی شدت سے ٹڑھتا جا رہا ہے۔ اگر آئنے والے الیکشن میں بھی نتیجہ دبی جاؤ (اور اس میں شبہ ہی کیا ہو سکتا ہے) تو ان کا حشر ایک دنیا دیکھ لے گی۔

جس قائد اعظم کو یہ مکار اور فریب کار فزادے رہے ہیں ان کے مخالفین تک نہ، ان کے خلاف اور تو بھی کچھ جی چانہ ہے کہا ہو، لیکن انہیں فریب کار کہنے کی جو اُن کو کسی کو نہیں ہو سکی تھی۔ یہاں تک کہ قائد اعظم نے ہندستان کے سب سے بڑے میدر (جسے دہان کے خواص اقتدار مانتے تھے) کے متعلق کہا کہ یہ شخص (گاندھی) گروٹ کی طرح رنگ برقا رہتا رہتا ہے۔ اس پر اُس مک بیں طوفان برپا ہو گیا لیکن کسی ایک شخص نے پڑت کر یہ نہیں کہا کہ تم بھی تو منافع اور مکار ہو۔ اس شخص کی وفات پر دنیا کے علمیہ ترقی اخبار "اٹلن مائز" نے لکھا:-

قائد اعظم نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعوے کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی تکم نہیں رکھتی جو انگریز کے زدیک ہندستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات پہنچے کی طرح قیمتی مگر سخت، واضح اور شفاف ہوتے تھے، ان کے دلائل میں ہندو ایسٹریوں جیسی جیلہ سازی نہیں رکھتی بلکہ وہ جس نقطہ روپاظہ کو اپنا ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ پاندھ کر دار کرتے تھے۔ وہ ایک تقابلی تسبیح حلف تھے۔

اور اُس نہاد کے ملکت اہوان کے سیفرا ناٹھے علی اصغر حکمت نے ان کی بارگاہ میں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

ایسے عظیم انسان انسان آسمان کے ان ستاروں کی طرح ہیں جن کی روشنی ہم تک بعید از قیاس نامحلے ہے کر کے پہنچتی ہے اور اگرچہ وہ انسانوں کی نکاحوں سے الگیں ہو جاتے ہیں لیکن ان کے لئے سے ہبیشہ کسبِ فیض ملالہ کیا جا سکتا ہے۔ قائد اعظم کی شخصیت آئندہ فسلوں کے لئے بینارہ لوز کا کام دے گی۔

نہیں سکتیں۔ اس کی شہادت خود ان کا سارا ماضی ہے۔ جہاں تک ان کی ہوں اقتدار کا لعنت ہے ان کی اپنی تحریریں اور جماعتِ اسلامی کی تاریخ اس کا ذمہ ثبوت ہے۔ اور اس باب میں جہاں تک ان کی مالیوسی کا تعلق ہے وہ بھی طویل چھپی نہیں۔ سن ۱۹۷۴ کے ایک دن قبل انہوں نے فرمایا۔ تھا کہ محل کے ایکشن کے نتائج خود بتا دیں گے کہ اقتدار کس جماعت کے ہاتھ میں ہوگا اور اس میں انہیں جس قدر ناکامی اور نامرادی ہوگی اس کی مثال بھی شاید ہی کہیں اور ہے۔ اس سے ان کا ماضی نواند جس حد تک بگڑا تھا اس کا اندازہ اس سے لگائیں گہ انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں ایسی شکست ہو گئی ہے تو یہ کوئی بیرون معمولی بات ہے۔ ایسے انہیاں گذرسے ہیں کہ جو رسانی مژر جدوجہد کرتے رہے لیکن انہیں (رمجاد اللہ) ایک بھی مقیم نہ مل سکا۔ علم النفس کے کسی ماہر سے پوچھ دو، اسے اگر پاگل پن نہیں تو اور کیا فرار دے گا؟ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی اور مالیوسی شدید مہل بجا رہی ہے ان کا یہ پاگل پن بھی اسی بیان سے بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر آئندے والے ایکشن میں بھی نتیجہ دہی ہوا (اور اس میں شبہ ہی کیا جب ملکا ہے) تو ان کا حشر ایک دنیا دیکھ لے گی۔

جس قائدِ اسلام کو یہ مکار اور فریب کار فرار دے رہے ہیں ان کے مخالفین مکنے، ان کے خلاف اور تو بد کچھ جی چاہے کہا ہو، لیکن انہیں فریب کار کہنے کی جرأت کسی کو نہیں ہو سکی تھی۔ یہاں تک کہ قائدِ اعظم نے ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر (جسے دہلی کے حواس افتخار مانتے تھے) کے متعلق کہا کہ یہ شخص (گاندھی) گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا رہتا ہے۔ اس پر اُس مکنے طوفان برپا ہو گیا لیکن کسی ایک شخص نے پاٹ کر یہ نہیں کہا کہ تم بھی تو منافق اور مکار ہو۔ اس شخص کی وفات پر دنیا کے عظیم ہر اخبار "اندن مائز" نے لکھا ہے:

قائدِ اعظم نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعوے کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لمحک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہمیسرے کی طرح قبیل ملکر سخت، واضح اور بشفاف ہوتے تھے، ان کے دلائل میں ہندو ایڈرول جلبی حیلہ سازی نہیں تھی بلکہ وہ جس نقطہ نظر کو اپنا ہدف بناتے تھے اس پر باہر راست نشانہ باندھ کر دار کرتے تھے۔ وہ ایک تقابلی تسبیح حروف تھے۔

اور اُس نہان کے مذکوت ایران کے سیفِ آنسو نے علی اصغر حکمت نے ان کی بارگاہ میں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

ایسے عظیم الشان انسان کے ان ستاروں کی طرح ہیں جن کی روشنی ہم تک پہنچنے اور قیاس فاصلے لے کر کے پہنچتی ہے اور اگرچہ وہ انسانوں کی نکاہوں سے اوہ جل ہو جاتے ہیں لیکن ان کے فہرست سے ہمیشہ کسب فیض ملک کیا جا سکتا ہے۔ قائدِ اعظم کی شخصیت آئندہ نسلوں کے لئے بیناً نور کا کام دے گا۔

اپسے بلند کردار کے عامل انسان کے متعلق یہ شخص یہ کہنے کی جوڑت کر رہا ہے کہ وہ مکار اور فریب کا رہا۔ یہ شخص انہیں یہ کہہ کر مطلعون کر رہا ہے کہ حصولِ مملکت سے ایک دن پہلے تک وہ اسلام پکانے رہے لیکن اس مملکت کے بدل جانے کے بعد انہوں نے قوراً اپنا ارادہ بدل دیا۔

چونکہ مودودی صاحب کے عقیدہ کی رو سے زندگی کی بعض ضرورتوں کے لئے ہجودٹ بوان از رو شریعتِ واحد ہو جاتا ہے اس لئے ہم انہیں دین اور شریعت کے نام پر تو کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ تاریخ کی صداقتوں کو کس طرح جھٹکا سکیں گے؟ آپ کا الزام یہ ہے کہ انہوں نے حصولِ مملکت کے بعد، اسلام کے شعلن اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔ آپ دیکھتے کہ تاریخ کی کہتی ہے۔ تائیدِ عظیم نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں گورنر جنرل کی حیثیت سے ثانی دینا مال کراچی میں پاکستان کے افسروں سے اپنے پہلے خطاب میں فرمایا تھا:-

پاکستان کا قیام، جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسیلِ کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آ چکا ہے۔ لیکن یہاں سے لئے اس آزادِ مملکت کا قائم مقاصد بالذات نہیں تھا۔ بلکہ ایک عظیم مقاصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقاصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقاافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور اسلام کے عدلی مہری کے اصول آزادانہ طور پر وعدہ عمل لائے جا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے ۱۹۴۷ء میں اہل امریکہ کے نام اپنے براؤڈ کاست میں کہا تھا۔ پاکستان کا نئی ٹیکنیک اسیل سے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے پیروادی اصولوں کا آئندہ دار، جمہوری اہمذ کا ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔

یہ تھے وہ تائیدِ عظیم، جن کے متعلق یہ شخص کہہ رہا ہے کہ حصولِ مملکت کے قوراً بعد انہیں نے ارادہ کر لیا تھا کہ یہاں اسلامی قوانین نامذہ نہیں کئے جائیں گے۔ (ضمناً) مودودی صاحب کی طرف سے تائیدِ عظیم کو جو ملا جیاں سنائی جا رہی ہیں تو اس کی وجہ وہ نہیں جو بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ اسی براؤڈ کا ہے میں ان کا وہ اگھا فقرہ ہے جو فشرت کی طرح مودودی صاحب کے تکمیل سے پار اُتر گیا اور جس زخم کو وہ آج تک سہلہ رہے ہیں لیکن وہ مندل ہونے کے بجائے سلطان بنتا جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا:-

آئینی پاکستان کے مرتب کرنے کے مسئلے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد

اپنے بلند کردار کے حامل انسان کے متعلق یہ شخص یہ کہنے کی جوأت کر رہا ہے کہ وہ مکار اور فریب کا رہتا۔ یہ شخص انہیں یہ کہہ کر مطلعون کر رہا ہے کہ حصولِ مملکت سے ایک دن پہلے تک وہ اسلام پکانے رہے لیکن اس مملکت کے بل جانے کے بعد انہوں نے فوراً اپنا ارادہ بدل دیا۔

جونکہ مودودی صاحب کے عقیدہ کی رو سے زندگی کی بعض ضرورتوں کے لئے سجدہ و شوائی از روٹ شریعت واجب ہو جاتا ہے اس لئے ہم انہیں دین اور خریعت کے نام پر تم کچھ نہیں کہنا جا سکتے۔ کہنا صرف یہ جاہب ہے ہیں کہ آپ تاریخ کی صداقتوں کو کس طرح جھپٹان سکیں گے؟ آپ کا الزام یہ ہے کہ انہوں نے حصولِ مملکت کے بعد، اسلام کے شعلن اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔ آپ دیکھتے کہ تاریخ کیا کہتی ہے۔ قائدِ اعظم نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں گورنر گزول کی حیثیت سے فائق دینا مل کر اچھی میں پاکستان کے افسروں سے اپنے پہلے خطاب میں فرمایا تھا:-

پاکستان کا قیام، جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے سدسیں کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے نصل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آ چکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزادِ مملکت کا قوم مقصود بالذات نہیں تھا۔ بلکہ ایک عظیم مقصود کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت چاہئے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور اسلام کے عدلی محراث کے اصول آزادانہ طور پر وعدہ عمل لائے جا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے مژہ ۱۹۴۷ء میں اہل امریکیہ کے نام اپنے براؤ کا سٹ میں کہا تھا۔ پاکستان کا نئی ٹپوٹ اسی میں نے الجھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ یہی نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئندہ دار، جمہوری انداز کا ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔

یہ تھے وہ قائدِ اعظم، جن کے متعلق یہ شخص کہہ رہا ہے کہ حصولِ مملکت کے فوراً بعد انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ہبھاں اسلامی قوانین نامذہ نہیں کئے جائیں گے۔ (ضمناً) مودودی صاحب کی طرف سے قائدِ اعظم کو جو ملا جیاں سنائی جا رہی ہیں تو اس کی وجہ وہ ہمیں جو بھاں کی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ اسی براؤ کا

میں ان کا وہ اگلا فقرہ ہے جو نشرت کی طرح مودودی صاحب کے کلمجے سے پار اُتر گیا اور جس نظم کو وہ آج تک سہلہ رہے ہیں لیکن وہ مندل ہونے کے بجائے سلطان بنتا جا رہا ہے۔ — انہوں نے فرمایا تھا:-

آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد

ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلم بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریں رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے لئے ہے دی جاتی ہے کہ وہ (براعم خوارش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

یہ تھا خالد اعظم کا وہ اعلان، جس نے مودودی صاحب کی تمام ایجادوں پر پانی پھیر دیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ آج تک ترتیبی، تکمیلی، مصروف فساد انگریزی رہتے ہیں۔

مودودی صاحب نے یہاں پہنچتے ہی یہ شور شروع کر دیا تھا کہ یہاں اسلامی قوانین نافذ کر دیئے جائیں۔ بظاہر یہ بغیر ڈرامی مقصوم بکہ مقدم نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے خام ان کے دام فریب کا شکار ہو گئے۔ ہم نے اسے "فریب" سے "جوابِ آل غزل" کے طور پر تغیر نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ مودودی صاحب، پاکستان کے خلاف، بہت بڑی سازش لئے ہوئے ہیں آئے تھے لہجے بھیجے گئے تھے۔ اس سازش کی تفصیلات تو اپنے وقت پر پیش کی جائیں گی۔ سر دست آپ مودودی صاحب کی سابقہ زندگی کے صرف سیاسی پہلو کےتعلق دو ایک نکات ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ صحافتی زندگی میں ان کا سب سے پہلا تعارف جبل پور کے اخبار "تاج" کے ایڈٹر کی حیثیت سے ہوا۔ یہ اخبار کمٹ کا نگریسی تھا۔ اُس کے ایک مقالہ پر اُس کے پڑھنے اور پیشتر گرفتار ہوئے تو مودودی صاحب اگرفاہی سے پچھنے کے لئے دہلی ہبھن گئے۔

۲۔ دہلی میں وہ، جمعیت العلماء ہند کے ترجمان "المجتہ" سے والستہ ہو گئے۔ یہ نیشنلٹ علماء کی جماعت کا ترجمان تھا اور کانگریس کا سب سے بڑا موٹیہ اور حماسی۔ اس میں وہ پانچ سال تک کام کرتے رہے۔

۳۔ اس دوران میں انہوں نے ہمارا گاندھی کی سوانح بزری بھی مرتب کی۔

۴۔ تحریک پاکستان کے دوران کانگریس کے ساتھ ان کے روابط کا اندازہ اس سے لکھیئے کہ جب ۲۴-۲۵ اپریل ۱۹۴۷ء کو (یعنی تقسیم ہند کے اعلان کے قریب ایک ماہ پہلے) اسلامی جماعت کا پٹنہ میں ایک اجلاس ہوا تو اس میں ہمارا گاندھی کو بھی مدعو کیا گیا اور وہ، اپنی پرانی تھنگی کو ملتوبی کر کے اس میں شریک ہوئے تھے۔

۵۔ مودودی صاحب نے مسلمانوں کی علیحدہ حملکت کے خلاف اسکیم یہ پیش کی تھی کہ مسلم اکریت آزادی کے صہنوں کی حکومت قائم کر کے انہیا کے ساتھ اس کی خیڑیش قائم کر دی جائے اور یوں مسلمانوں کو دینی اور ملی حیثیت سے ختم کر دیا جائے۔

کہہ دیا جائے گا کہ پاکستان میں ہزارا ایسے افراد موجود ہیں جو کھلے کانگریسی تھے۔ ہذا اگر مودودی صاحب بھی کبھی کانگریسی تھے تو یہ کوئی تقابل اخراض ہاتھ ہے۔ یہ بات قابل اخراض اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے کھلے ہندوں اخراج کیا کہ اصول نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن یوں نے پاکستان میں اگر کوئی

ہوتے ہیں اُن کا ہم پورا لپڑا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریں رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے بالغ میں دسے دی جاتی ہے کہ وہ (برعین خودیش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

یہ تھا قائدِ اعظم کا وہ اعلان، جس نے مودودی صاحب کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ آج تک ترتیبی، تکملتی، مصروف فضاد انگریزی رہتے ہیں۔

مودودی صاحب نے یہاں پہنچتے ہی یہ شور شروع کر دیا تھا کہ یہاں اسلامی قوانین نافذ کر دیئے جائیں۔ بظاہر یہ فتحہ ٹڑا معصوم بلکہ مقدس نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے خوام اُن کے دام فریب کا مشکل ہو گئے۔ ہم نے اسے "فریب" سے "جو اب ہل عزل" کے طور پر تغیر نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مودودی صاحب، پاکستان کے خلاف، بہت ٹڑی سازش لئے ہوئے ہیں آئے تھے لا بھیجے گئے تھے۔ اس سازش کی تفصیلات تو اپنے وقت پر پیش کی جائیں گی۔ سر دست آپ مودودی صاحب کی سابقہ زندگی کے صرف سیاسی پہلو کے متعلق دو ایک نکات ملاحظہ کیجئے:-

۱۔ صحافتی زندگی میں اُن کا سب سے پہلا تعارف جبل پور کے اخبار "تاج" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ہوا۔ یہ اخبار کرٹ کانگریسی تھا۔ اُس کے ایک مقالہ پر اُس کے پرنٹ اور پبلیشور گرفتار ہوئے تو مودودی صاحب اگر فتاویٰ سے بچنے کے لئے دہلی پہنچ گئے۔

۲۔ دہلی میں وہ، جمیعت العلمائے ہند کے ترجمان "الجمعیت" سے والستہ ہو گئے۔ یہ نیشنلٹ علماء کی جماعت کا ترجمان اور کانگریس کا سب سے ٹڑا موئید اور حاصلتی۔ اس میں وہ پانچ چھ سال تک کام کرتے رہے۔

۳۔ اس دوران میں انہوں نے ہبہ اکانڈھی کی سوانح عمری بھی مرتب کی۔

۴۔ تحریک پاکستان کے دوران کانگریس کے ساتھ اُن کے روابط کا اندازہ اس سے لگایا گی کہ جب ۲۵۔ ۲۶۔ اپریل ۱۹۴۷ء کو (یعنی تقسیم ہند کے اعلان کے قریب ایک ماہ پہلے) اسلامی جماعت کا پڑنا میں ایک اجلاس ہوا تو اس میں ہبہ اکانڈھی کو بھی مدعو کیا گیا اور وہ، اپنی پرانی تھنگی کو ملتوبی کر کے اس میں شریک ہوئے تھے۔

۵۔ مودودی صاحب نے مسلمانوں کی علیحدہ حملہت کے خلاف اسکیم یہ پیش کی تھی کہ مسلم اکثریت آبادی کے صہنوں کی حکومت قائم کر کے انہیا کے ساتھ اس کی فیڈریشن قائم کر دی جائے اور یوں مسلمانوں کو دینی اور ملکی حیثیت سے ختم کر دیا جائے۔

کہہ دیا جائے گا کہ پاکستان میں ہزارہ ایسے افراد موجود ہیں جو کھلے کانگریسی تھے۔ یہاں اگر مودودی صاحب بھی کبھی کانگریسی تھے تو یہ کونسی قابل احتراض بات ہے۔ یہ بات قابل احتراض اس لئے ہے کہ اُن لوگوں نے کھلے بندوں اغراض کیا کہ اعلان نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن یوں نے پاکستان میں اگر کوئی

فقہ نہیں کھڑا کیا۔ جنہوں نے ایسا کچھ کیا ان سے مٹا فخرہ کیا گیا۔ لیکن مودودی صاحب ہمیشہ یہ بیکارتے چھپے آ رہے ہیں کہ انہوں نے تحریک پاکستان کی کبھی مخالفت نہیں کی تھی (بہکہ اب تو انہیں نظریہ پاکستان کا خاص بھی بنایا جا رہا ہے) اور پاکستان آگر وہ ایک دن جسیں سے نہیں بیٹھے۔ کوئی نہ کوئی فتنہ جنگاٹے چھپے آ رہے ہیں۔ اس کا نام ساندش ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ، ان کے (پاکستان پینٹس کے فوری بعد) اسلامی قوانین کے نفاذ کے اس مطالبہ کی طرف آئیے جس کی طرف اور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کے اس مطالبہ سے ایسا دکھائی دے گا گریا یہ اسلامی قوانین کسی کتاب میں مرتب شکل میں موجود تھے اور پاکستان کے مختلف فرقے ان کے اسلامی ہرٹے پر متفق تھے۔ یعنی ان میں سے کسی کو ان سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اگر حکومت ایسی سوتی اور پھر ان قوانین کو ملک میں نافذ نہ کیا جاتا تو یہ اختراض قابلِ ہم سمجھا ہا سکتا تھا کہ اربابِ اقتدار اسلامی قوانین دائرۃ النامہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسلامی قانون کی حقیقی صورت کیا ہے، اُس کے متعلق ہم ہر سوں سے لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس وقت ہم اُس تفصیل کے صرف نمایاں گوشے سائنس لے رہے ہیں۔

۱۔ مودودی صاحب نے یہ دعویٰ کیا اور اس پر اکثر علماء حضرات کی ہمزاں بھی حاصل کر لی کہ اسلامی قوانین اُنہیں کہا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں۔ اس بنا پر حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ملک کے قوانین کو کتاب و سنت کے مطابق وضع کریں۔

۲۔ کامل بیس برس تک مودودی صاحب یہ شور چاہتے رہے کہ ارباب حکومت بدروایات ہیں، افریب کار ہیں جو کتاب و سنت کے مطابق تنابھہ قوانین نافذ نہیں کر رہے۔ اس اختراض کی بنیاد پر وہ فتنہ پھیلاتے اور ضادات برپا کرتے رہے۔

۳۔ ۱۹۷۴ء میں رفلووچ اسلام کی مسیل بخار سے نگ آ کر وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:-
کتاب و سنت کی کوئی ایسی تغیری ملن نہیں جو پہلک لاذ کے معاملے میں حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (اخیر ایشیا مورخ ۲۳ اگست ۱۹۷۴ء)

یعنی انہوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ کسی ایسے صالحہ قوانین کا موجود ہونا تو درکار، جو پاکستان میں بننے والے فرقوں — حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے نزدیک متفق علیہ ہو، ایسا کوئی جماعتہ قوانین مرتب بھی نہیں ہو سکتا۔

۴۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ملک میں حنفی فقہ نافذ کر دی جائے۔ اس کے خلاف غیر حنفی فتنہ قوں (اہل حدیث اور شیعہ حضرات) نے شور مجا دیا کہ ہم اسے کسی سورت میں قبول یا برداشت نہیں کریں گے اور اگر ایسا ذریعہ مت کیا گیا تو ملک میں بغاوت پھیل جائے گی۔ (اگر اور کی تفصیل آپ خلاوصہ اسلام بابت المختوب ۱۹۷۴ء میں شائع شدہ مقالہ میں دیکھئے جس کا عنوان ہے — "اسلامی مملکت کا خواب، جو کثرت تغیر سے، پریشان ہو گیا")

یہ تھی راہد اسٹاک ہے، اسلامی صالحہ قوانین کی پوزیشن۔ اس سے آپ اندازوں کا لمحہ کہ پاکستان کی

فتنہ نہیں کھڑا کیا۔ جنہوں نے ایسا کچھ کیا ان سے مٹا خدا کیا گیا۔ لیکن مودودی صاحب چیزیں یہ پکارتے چھے آ رہے ہیں کہ ہم نے تحریک پاکستان کی کبھی مخالفت نہیں کی تھی (پہکہ اب تو انہیں نظریہ پاکستان کا خاتمی بھی تباہیا چاہ رہا ہے) اور پاکستان آگر وہ ایک دن جنہیں سے نہیں بیٹھے۔ کوئی نہ کوئی فتنہ جھکاتے چھے آ رہے ہیں۔ اس کا نام سازش ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ، ان کے (پاکستان بننے کے فوری بعد) اسلامی قوانین کے نفاذ کے اس مطالبہ کی طرف آئیئے جس کی طرف اور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کے اس مطالبہ سے ایسا دعائی دسے گا گریا یہ اسلامی قوانین کسی کتاب میں مرتب شکل میں موجود رکھتے اور پاکستان کے مختلف حصے ان کے اسلامی ہر نئے پر متفق رکھتے۔ یعنی ان جن سے کسی کو ان سے کوئی اختلاف نہیں رکھتا۔ اگر حکومت ایسی ہوتی اور مھر ان قوانین کو ملک میں نافذ نہ کیا جاتا تو یہ اختراض قابلِ نہم سمجھا جا سکتا تھا کہ اربابِ اقتدار اسلامی قوانین رائستہ نامہ نہیں کرنا چاہتے رہتے۔ اسلامی قانون کی حقیقی صورت کیا ہے، اُس کے متعلق ہم ہر یوں سے لکھتے ہیں آ رہے ہیں۔ اس وقت ہم اُس تفصیل کے حرف نمایاں گوشے ساختے لا رہے ہیں۔

۱۔ مودودی صاحب نے یہ دعویٰ کیا اور اس پر اکثر علماء حضرات کی ہمزاں بھی حاصل کر لی کہ اسلامی قوانین اُنہیں کہا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں۔ اس بنا پر حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ملک کے قوانین کو کتاب و سنت کے مطابق وضع کریں۔

۲۔ کامل بیس تک مودودی صاحب یہ شور چاہتے رہے کہ اربابِ حکومت پروپریات ہیں، فریب کار ہیں جو کتاب و سنت کے مطابق ضالطہ قوانین نافذ نہیں کر رہے۔ اس اختراض کی پہلیاں پر وہ فتنہ پھیلاتے اور فسادات برپا کرتے رہے۔

۳۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں رفلوریج اسلام کی مدلل پکار سے تنگ آ کر وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:-
کتاب و سنت کی کوئی ایسی تغیری ممکن نہیں جو پہلک لازم کے معاملے میں حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (اخبار ایشیا مورخ ۳ مارچ ۱۹۴۸ء)
یعنی انہوں نے یہ اخراج کر لیا کہ کسی ایسے ضالطہ قوانین کا موجود ہونا تو درکار، جو پاکستان میں بننے والے فرقے — حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے نزدیک متفق علیہ ہو، ایسا کوئی مجموعہ قوانین مرتب بھی نہیں ہو سکتا۔

۴۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ملک میں حنفی فقہ راذد کر دی جائے۔ اس کے خلاف غیر حنفی فندوں (اہل حدیث اور شیعہ حضرات) نے شور بجا دیا کہ ہم اسے کسی سوت میں قبول یا پرداشت نہیں کریں گے اور اگر ایسا ذریعہ تو ملک میں بغاوت پھیل جائے گی۔ (ان اور کی تفصیل آپ طالعِ اسلام بابت اکتوبر ۱۹۴۷ء میں شائع شدہ مقالہ میں دیکھئے جس کا محتوا ہے۔ — "اسلامی حکومت کا خواب، جو کثرت تغیر سے پریشان ہو گیا۔")

یہ تھی راہے اس تک سے، اسلامی ضالطہ قوانین کی پوزیشن۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ پاکستان کی

تفکین کے وزیر بعد مودودی صاحب کا یہ مطالیہ کہ یہاں اسلامی قوانین فوراً نافذ کر دیجئے جائیں، لیکن معنی رکھتا تھا؛ اس سلسلے میں ذرا اس حقیقت پر بھی لگاہ رکھتے کہ اُس نہانے میں پاکستان کی حالت کیا تھی۔ کالاگری بیسی پیٹرول (اور انگریزوں تک) نے بھی تقسیم ہند کے اعلان کے ساتھ ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اب تو جامیع کی ہند کو پورا ہو جانے دیجئے لیکن کچھ عرض کے بعد آپ دیکھتے گا کہ یہ دونوں عملکاریوں پھر سے ایک دوسرے میں فل جائیں گی اور حملت صرف بھارت کی باتی رو جائے گی۔ پاکستان وجد میں آیا تو ہندوستان سے نکالے ہوئے لاکھوں کی تعداد میں پشاہ گزینوں کے خافیہ پاکستان میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ ایک نوزاں بیہدہ حملت کی کشتمی کو ڈاہر دینے کے لئے پہلی بو جھ کچھ کم نہ تھا کہ اس کے ساتھ ہندوستان دیکھ تحریکی حریصے بھی استعمال کرنے شروع کر دیجئے۔ تقسیم ہند کے معاہدہ کی رو سے ایک لاکھ ہنسیٹ پیٹرول ہزار ٹن فوجی سامان پاکستان کے حصے میں آیا تھا۔ اس میں سے ہندوستان نے مارچ ۱۹۴۸ء میں اس حصے اور صرف چار ہزار سات سو ٹن سامان پاکستان کو دیا۔ باقی سب خود ٹرپ کر گیا۔ تقسیم کے وقت چار ارب روپیہ نقد ہندوستان میں موجود تھا جس میں سے ایک ارب روپیہ پاکستان کے حصے میں آتا تھا۔ ہندوستان نے اس رقم کے دینے سے بھی انکار کر دیا۔ ایک طرف پاکستان کی اس قدر نازکی حالت تھی، دوسری طرف بھارت کے عرماں کیا تھے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہاں کے ایک سال میں چیفت جیٹس مسٹر مہاجن نے یہ انتشار کیا تھا کہ ہندوستان نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں دیسپلے کر دیا تھا کہ پاکستان پر حملہ کر دیا جائے لیکن بعض داخل مصالح کے پیش نظر اس فیصلے پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔

یہ لمحے وہ حالات، جن میں اُس وقت پاکستان ٹھرا ہوا تھا اور جن سے چدہ براہ رونے کے لئے اُن بھیت نوار مریض، جسیں ملت رفائد اعظم (یعنی اپنی لندگی کے آخری چند سالیں بھی بازی پر لگا دیتے تھے۔ حملت کے تحفظ کے بعد ہبہ کی شدت کا یہ عالم لقا کہ ان کے ذاتی معاملے نے ان سے کہا کہ وہ ایسے مرض کا شکار ہو چکے ہیں جس سے وہ جانب نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے اُس سے کہا کہ اس بات کو رواز میں رکھنا۔ یہ بات کہوں باہر نہ آئے پائے، کیونکہ اس سے ایک طرف بیری قوم پر مالیہ تھی جو جانے لی گی اور دوسری طرف پاکستان ڈسٹرکٹوں میں اس سے نہ معلوم کیں تھے نامہ المطا جائیں۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک سرداہ بھرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر ہمیں اُس وقت کہیں اس کا علم ہو جانا تو ہم تقسیم ہند کے معاملہ میں اتنی جلدی نہ کرتے۔ تھوڑے سے سوچنے کی بات تھی۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد نقشہ کچھ اور ہوتا۔

یہ لمحے ملک کے وہ حالات، جن میں مودودی صاحب وہ فتنے لے کر کھڑے ہو گئے جس کے نتیجے میں یہاں مختلف فرقوں میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ اُس وقت سب سے بڑا اہم مسئلہ را اور خود قرآن کریم کی رو سے حملت کا فریضہ یہ تھا کہ اپنی سرحدوں کو محفوظ رکھتی۔ قائد اعظم نے اس فریضہ کو اس حسن و خوبی سے سرانجام دیا جس سے، ہم تو ایک طرف، آئٹے والی ندوں تک ان کے زیر ہار احسان رہیں گی۔ ایسے شخص کو مودودی صاحب مکار اور فریب کا رقرار دے رہے ہیں؛ قائد اعظم، مکار اور فریب کا رہنیں تھا۔ مودودی صاحب کو صدمہ اس بات کا ہے کہ وہ ان کے حساب میں کیوں نہ آگیا؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بھائے کوئی

نشکنیں کے فری بعد مودودی صاحب کا یہ مطالبہ کہ یہاں اسلامی قوانین نوراً نافذ کر دیئے جائیں، کیا معنی رکھنا تھا؟ اس سلسلے میں فردا اس حقیقت پر بھی لکاہ رکھئے کہ اُس زمانے میں پاکستانی کی حالت کیا تھی۔ کالکتھا بیسی بیٹھوں (اور انگریزوں تک) نے بھی، تقسیم ہند کے اعلان کے ساتھ ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اب تو جناب کی ہند کو پورا ہو جانے دیجئے لیکن کچھ عرضے کے بعد آپ دیکھئے گا کہ یہ دولوں مملکتوں پر سے ایک دوسرے میں رہ جائیں گی اور حکومت صرف بھارت کی باقی رہ جائے گی۔ پاکستان وجود میں آیا تو ہندوستان سے نکالے ہوئے لاکھیں کی تعداد میں پناہ گزینوں کے خافعے پاکستان میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ ایک نوزاں بڑھتی کی کشتنی کو ڈال دینے کے لئے یہی وجہ کچھ کم نہ تھا کہ اس کے ساتھ ہندو نے دیکھ تحریکی حریبے بھی استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ تقسیم ہند کے معاہدہ کی رو سے ایک لاکھ پہنچھا مزار ٹھن فوجی سامان پاکستان کے حصے میں آیا تھا۔ اس میں سے ہندوستان نے مارچ ۱۹۴۷ء تک صرف چار ہزار سات سو ٹھن سامان پاکستان کو دیا۔ باقی سب خود ٹرپ کر گیا۔ تقسیم کے وقت چار ارب روپیہ نقد ہندوستان میں موجود مقام جس میں سے ایک ارب روپیہ پاکستان کے حصے میں آتا تھا۔ ہندوستان نے اس رقم کے دینے سے بھی انکار کر دیا۔ ایک طرف پاکستان کی اس قدر نازک حالت تھی، دوسری طرف بھارت کے عروالم کیا تھے اُس کا اندازہ اس سے لگایتے کہ دہلی کے ایک سالنگ چیفت جسٹس مسٹر مہاتجی نے یہ انکشافت کیا تھا کہ ہندوستان نے دسمبر ۱۹۴۶ء میں دیصلہ کر لیا تھا کہ پاکستان پر حملہ کر دیا جائے لیکن بعض داخلی مصالح کے پیش نظر اس فیصلے پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔

یہ تھے وہ حالات، جن میں اُس وقت پاکستان گھرا ہوا تھا اور جن سے تجدہ برآ ہونے کے لئے اُس بخوبی نزار ملیض، محسن ملت (قائم اعظم) نے اپنی لندگی کے آخری چند سالیں بھی بازی پر لگا دیئے تھے۔ حکومت کے تحفظ کے بعدہ کی شدت کا یہ عالم لقا کہ اُن کے ذاتی مصالح نے ان سے کہا کہ وہ ایسے مرض کا شکار ہو چکے ہیں جس سے وہ جانبر نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے اُس سے کہا کہ اس بات کو رلا میں رکھنا۔ یہ بات کوئی باہر نہ آئے پاٹے، کیونکہ اس سے ایک طرف میری قوم پر مالیہ چھڑا جائے گی اور دوسرا طرف پاکستان دشمن قوتیں اس سے نہ ملائم کس قدر نامہ اٹھا جائیں سچا لمحہ حال ہی میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک سرداہ بھرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر ہمیں اُس وقت کہیں اس کا عمل ہو رہا تھا تو ہم تقسیم ہند کے معاملہ میں اتنی خبلدی نہ کرتے۔ تھوڑے سے عرضے کی بات تھی۔ قائم اعظم کی وفات سے بعد نقشہ کچھ اور ہوتا۔

یہ تھے ملک کے وہ حالات، جن میں مودودی صاحب وہ فتنے لے کر کھڑے ہو گئے جس کے نتیجے میں یہاں مختلف فرقوں میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ اُس وقت سب سے بڑا اہم مسئلہ (اور خود قرآن کریم کی رو سے مملکت کا فلسفہ) یہ تھا کہ وہ اپنی سرحدوں کو محفوظ رکھتی۔ قائم اعظم نے اس فلسفہ کو اس حسن و خوبی سے سرانجام دیا جس سے، ہم تو ایک طرف، آئے والی نسلوں تک ان کے زیر ہمارہ احسان رہیں گی۔ ایسے شخص کو مودودی صاحب مکار اور فریب کار قرار دے رہے ہیں! قائم اعظم، مکار اور فریب کار نہیں تھا۔ مودودی صاحب کو صدمہ اس بات کا ہے کہ وہ ان کے فریب میں کیوں نہ آگیا؛ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بجائے کوئی

سلو بہیں بہذباقی قسم کا بیڑہ مہتتا تو وہ یقیناً محدودی صاحب کے اس دام فریب میں پھنس کر ریاں نفاذ پیغام
کا نہ کہا تھا اور دیتا۔ اس سے ملک میں خانہ جگل شروع ہو جاتی اور چند دن لئے کے اندر اس حکومت کا وجود
ہو شروع ہو جاتا۔ حکومت بھارت کی باقی رہ جاتی اور اُس میں محدودی صاحب کو اُن کی ان خدمات جلبیہ کے صل
بیں شیخ الاسلام کی لگتی ضرور مل جاتی ۔۔۔ محدودی صاحب نے اپنی تقریب میں یہ بھی فرمایا کہ:-
اس مقصد کے لئے سرکاری طور پر ایک کمیٹی بخواہی جاتی اور چند ہفتے میں اس
کو (اسلامی قانون کو) مدون کیا جا سکتا تھا، کوئی وقت نہ تھی۔ وقت صرف یہ تھی کہ ان
کے اندر خواہش اور ارادہ موجود نہیں تھا اور اب بھی موجود نہیں ہے۔

مرحوم صدر حکومت شریف ایوب خاں نے ۲۴ دسمبر ۱۹۶۲ء کو مسلم لیگ کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-
اپنے ریشن کے رہنماؤں کی طرف سے جو اختلافات موجودہ حکومت پر کئے جائیں ہے میں اُن
میں ایک اختراض یہ بھی ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کیا جا رہا۔ یہ ایک
جنرباتی، پیغمبریہ اور نازک مسئلہ ہے۔ اگر اسلام میں مختلف فرقے موجود نہ ہوئے ،
جس طرح کہ خدا اور رسولؐ کی منشا تھی، تو یہ معاملہ آسمان میں جاتا۔ میں نے علماء
سے پہلیشہ کہا ہے کہ وہ اپنی سفروں میں اخواہ پیدا کر کے اسلامی قانون نیار کریں اور
اس کی منتظری و کلکاو اور بیج صاحبان سے حاصل کریں تھے یہ لوگ خالق کے ہاتھ پر تسلیم
کئے جاتے ہیں اسے اسمبلیہ میں پیش کر کے، اُن کی منتظری بھی حاصل
کریں۔ اگر میں صدر اعلیٰ آنکھیں بند کر کے اس تائف پر دستخط کر دوں گاہ میرا دل
چاہتا ہے کہ ملک میں اسلامی قانون رائج ہو اور میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی اور
کوئی بات نہیں ہے۔ (فواتی دقت لاہور - ۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء)

اگر محدودی صاحب اپنے مطالبہ میں دیانتدار ہوتے تو صدر کی اس دعوت پر بیک پہنچتے۔ لیکن انہیں یہ معلوم تھا
کہ ایسا حصا بطلہ قوانین مرتب ہو نہیں سکتا، اور اگر اس قسم کی کوئی کمیٹی بنادی گئی تو اُن کی ساری سازش
کا بھائڈا بھوٹ جائے گا۔ اس لئے اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ شخص (صدر ایوب مرحوم) بدفیت ہے
اور علماء کے اختلاف کو خواہ مخواہ سپر بناد رہا ہے۔ یہ کچھ محدودی صاحب نے جنربی ۱۹۶۲ء میں کہا تھا، اور اُس
کے قریب ۲۷ جولائی ۱۹۶۲ء میں اس کا اختلاف کرنا پڑا کہ ملک میں مختلف فرقوں کے اختلافات
ابے ہیں جن کی موجودگی میں کوئی متفقہ صالحة قوانین، مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ محدودی صاحب کی بھی وہ
سازشیں قیمتیں جن کے پیش نظر صدر ایوب نے اپنی یکم دسمبر ۱۹۶۲ء کی راجہ نشی نشری تقریب میں کہا تھا کہ:-

اب ایک، اوپر سے زیادہ مکار شخص، مذہب کا لبادہ اور اُن کو میدان میں
آگیا ہے۔ یہ شخص سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا ناجائز خانہ المختار ہے۔

(امر و فرمان لاہور - ۲ دسمبر ۱۹۶۲ء)

(رضمنا) اس سے یہ حقیقت بھی واشگاٹ ہو گئی ہے کہ محدودی صاحب نے "بھائی گھبہریت" کے نقاب میں

سلیع بیں بند باتی قسم کا بیکرہ مہمنا تو وہ یقیناً مودودی صاحب کے اس دام فریب میں پھنس کر بیاں نفاذ فقرت
کیا تھا۔ ملک کھڑا کر دیتا۔ اس سے ملک بیں خانہ جگی شروع ہو جاتی اور چند دلائل کے اندر اس مملکت کا وجود
تو ختم ہو جاتا۔ مملکت بھارت کی باتی رہ جاتی اور اُس میں مودودی صاحب کو اُن کی ان خدمات چیلیہ کے صلے
میں شیخ الاسلام کی گذتی ضروری باتی — مودودی صاحب نے اپنی تقریب میں یہ بھی مزاح کہ :-
اس مقصد کے لئے سرکاری طور پر ایک کمیٹی بھادی جاتی اور چند ہمینوں میں اس
کو (اسلامی قانون کو) مدون کیا جا سکتا تھا، کوئی دقت نہ تھی۔ دقتِ حرف یہ تھی کہ ان
کے اندر خواہش اور ارادہ موجود نہیں تھا اور اب بھی موجود نہیں ہے۔

مرحوم صدر مملکت شاہ ایوب خاں نے ۲۰ دسمبر ۱۹۶۴ء کو مسلم یونیورسٹی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-
انہریشن کے رہنماؤں کی طرف سے جو اختلافات موجودہ حکومت پر کئے جائیں ہے میں اُن
میں ایک اختراض یہ بھی ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کیا جا رہا۔ یہ ایک
جنزیاتی، ہیچیہ اور نازک مسئلہ ہے۔ اگر اسلام میں مختلف فرقے موجود نہ ہوئے،
جس طرح کہ خدا اور رسولؐ کی منشا تھی، تو یہ معاملہ آسمان ہو جاتا۔ میں نے علماء
سے بھیشہ کہا ہے کہ وہ اپنی عبادوں میں الخاد پیدا کر کے اسلامی قانون نیا کریں اور
اس کی منظوری وکلا اور راجح معاہدات سے حاصل کریں کہ یہ لوگ قانون کے ہاتھ تسلیم
کئے جاتے ہیں..... اسے اسمبلیہ میں پیش کر کے، اُن کی منظوری بھی حاصل
کریں۔ اگر یہ صدر رہا تو آنکھیں بند کر کے اس قانون پر دستخط کر دوں گا۔ میرا دل
چاہتا ہے کہ ملک میں اسلامی قانون راجح ہو اور میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی اور
کوئی بات نہیں ہے۔ (نوائے دقت لاہور۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء)

اگر مودودی صاحب اپنے مطالبہ میں دیانتدار ہوئے تو صدر کی اس دعوت پر بیک رکھتے۔ لیکن انہیں تعلیم تھا
کہ ایسا خدا باطھ قوانین مرتب ہونیں سکتا، اور اگر اس قسم کی کوئی کمیٹی بنادی گئی تو اُن کی ساری سازش
کا بھانڈا بچھٹ جائے گا۔ اس لئے اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ شخص (صدر ایوب مرحوم) بدینت ہے
اور علماء کے اختلاف کو خواہ مخواہ سپر بنا رہا ہے۔ یہ کچھ مودودی صاحب نے جنری ۱۹۶۹ء میں کہا تھا، اور اُس
کے قریب ڈیٹھ سنال بعد اگست ۱۹۷۱ء میں اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ ملک میں مختلف فرقوں کے اختلافات
اب سے ہیں جن کی موجودگی میں کوئی متفہہ صافیہ قوانین، مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ مودودی صاحب کی یہی وجہ
سازشیں تھیں جن کے پیش نظر صدر ایوب نے اپنی یکم دسمبر ۱۹۶۸ء کی ماہنامہ نشری تقریب میں کہا تھا کہ:-
اب ایک، اور یوں سے زیادہ ملکا کو شخص، مذہب کا لبادہ اٹھ کر میدان میں
آگیا ہے۔ یہ شخص سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا ناجائز نامہ الٹھاتا ہے۔
(امر و نہاد لاہور۔ ۲ دسمبر ۱۹۶۸ء)

(رضمٰن) اس سے یہ حقیقت بھی واشگاٹ ہو گئی ہے کہ مودودی صاحب نے "کمالِ جمہوریت" کے نقاب میں

صدر ایوب کے خلاف جو ہم شروع کی تھی اُس کا ہندو ہرکے کیا تھا۔
مودودی صاحب نے اپنی تقریب میں کہا ہے کہ وہ

میں واضح طور پر یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اسلامی قانون کا نفاذ الگ ہو سکتا
ہے تو صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار ہے، اُن کو
اقدار سے ہٹایا جائے اور ملک کا اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہو، جو
اسلام کو جانتے بھی ہیں، دل سے مانتے بھی ہیں اور اس کے احکام کو نافذ کرنے
کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ موجود ہیں اور جس روز ان کے ہاتھ میں منتقل
آئے گا اس کے دوسرے روز اسلامی احکام نافذ ہو جائیں گے۔

اس سے یہ واضح ہے کہ مودودی صاحب کے پاس ایسے احکام مدون شدہ موجود ہیں جنہیں ملک
میں فوراً نافذ کیا ہا سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس مضجعہ انگریز پورٹریشن پر بھی خواز کیتے گئے اُسی
کا نظر فسی میں خود مودودی صاحب کے زیرِ ہدایت انہیں وکلاء پر مشتمل کمیٹیاں مقرر کی ہوتی ہیں۔
تاکہ وہ اسلامی قوانین مدون کریں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مودودی صاحب اس پورٹریشن میں ہیں
کہ اُن کے ہاتھ میں آج اقتدار دستے دیا جائے تو وہ کل ہی اسلامی قوانین کو نافذ کر دیں، تو
پھر یہ کمیٹیاں کا ہے کے لئے بھائی جا رہی ہیں؟ لیکن ہمیں حیرت مودودی صاحب پر نہیں،
وہ تو عمر بھر ایسے ہی کھیل کھیلتے رہے ہیں، ہمیں افسوس ان وکلاء حضرات پر ہے جنہوں
نے مودودی صاحب کی سان مبارک سے یہ بھی سننا کہ وہ ایک ہی دن میں ملک میں قوانینی
شریعت نافذ کر سکتے ہیں اور پھر انہیں کے زیرِ ہدایت قانون سازی کے لئے کمیٹیاں بناؤ کر بھی
بیٹھ گئے۔ دوسری بات یہ کہ کیا ان وکلاء حضرات نے مودودی صاحب سے یہ بھی پوچھا ہے کہ
جس قانون کی ندویں کا فریضہ ان کے سپرد کیا جائے گا اُس کی اساس اور بنیاد کیا ہوگی؟ کتاب و
سنن تو اس کی بنیاد ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ کتاب و سنن کی
رو سے ایسا مطالعہ قوانین، مرتب ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ اساس نہیں ہوگی تو پھر اور کوئی اس کی
ہوگی۔ نہ مودودی صاحب نے ایسا بتا ہوا، نہ انہوں نے اس کے دریافت کرنے کی ضرورت تھی۔ اس
لئے کہ دونوں جانتے ہیں کہ یہ صرف ایکش منٹ ہے۔ لیکن مودودی صاحب کو معلوم ہے اس پاٹیجے
کہ انہیں اس سے بھی حصول اقتدار میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے کہ خالص میکیا دل سیاست
عارضی ہی سہی، کامیاب ہو جاتی ہے لیکن مددوپ کے نقاب میں سیاست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی
خواہ اُس کے شے کتنا ہی بعد پر سیلاب کی طرح یوں نہ بہا دیا جائے۔ اور وکلاء کا نظر فسی کی قسم کے
کتنے ہی نمائشی اسٹائل کیوں نہ ایجاد کر دیتے نہائیں۔ لوگ اب اُن کی حقیقت سے واقع مہر پکھا ہیں جیسا کہ
شیعہ کے نیتحے میں ویکھا جا چکا ہے۔ يُعْلَمُ عَوْنَ اللَّهِ هَا لَذِينَ أَنْوَأُمَّا يَكُلُّونَ إِلَّا أَنْفَقُهُمْ

صدر الپوب کے خلاف جد ہجم شروع کی تھی اُس کا ہندو ہجڑ کیا تھا۔
مودودی صاحب نے اپنی تقریب میں کہا ہے کہ وہ

یہ واضح طور پر یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اسلامی قانون کا نفاذ اگر ہر سماں
ہے تو صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار ہے، اُن کو
اقدار سے ہٹایا جائے اور ملک کا اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہو، جو
اسلام کو جانتے بھی ہیں، دل سے مانتے بھی ہیں اور اس کے احکام کو نافذ کرنے
کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ موجود ہیں اور جس مردم ان کے ہاتھ میں منتقل
آئے گا اس کے دوسرا سے دوسرے اسلامی احکام نافذ ہو جائیں گے۔

اس سے یہ واضح ہے کہ مودودی صاحب کے پاس ایسے احکام مددون شدہ موجود ہیں جنہیں ملک
میں فوراً نافذ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے سابقہ ہی اس مضمونہ انگریز پرنسپلز میں بھی غور کیجئے کہ اُسی
کا نظر فسی میں خود مودودی صاحب کے زیرِ ہدایت انہی وکلاء پر مشتمل کمیٹیاں مقرر کی جاتی ہیں۔
تاکہ وہ اسلامی قوانین مددون کریں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مودودی صاحب اس پرنسپلز میں ہیں
کہ اُن کے ہاتھ میں آج اقتدار دے دیا جائے تو وہ کل ہی اسلامی قوانین کو نافذ کر دیں، تو
پھر یہ کمیٹیاں کا ہے کے لئے بٹھائی جا رہی ہیں؟ لیکن ہمیں حیرت مودودی صاحب پر نہیں،
وہ تو غیر مخبر ایسے ہی کھیل کھیلتے رہے ہیں، ہمیں افسوس ان وکلاء حضرات پر ہے جنہوں
نے مودودی صاحب کی سان مبارک سے یہ بھی سنائے وہ ایک ہی دن ہیں ملک میں قوانینی
شریعت نافذ کر سکتے ہیں اور پھر انہیں کے زیرِ ہدایت قانون سازی کے لئے کمیٹیاں بنائے کر بھی
بیٹھ گئے۔ دوسری بات یہ کہ کیا ان وکلاء حضرات نے مودودی صاحب سے یہ بھی پوچھا ہے کہ
جس قانون کی ندویں کا فریقہ ان کے سپرد کیا جائے گا اُس کی اساس اور بنیاد کیا ہوگی؟ کتاب و
سنست تر اس کی بنیاد ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ کتاب و سنست کی
رو سے ایسا مطالعہ قوانین، مرتب ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ اس نہیں ہوگی تو پھر اور کوئی اسکی
ہوگی۔ نہ مودودی صاحب نے ایسا بتایا، نہ انہوں نے اس کے دریافت کرنے کی ضرورت سمجھی۔ اس
لئے کہ دونوں بحثتے ہیں کہ یہ صرف انگلش سٹنٹ ہے۔ لیکن مودودی صاحب کو معلوم ہتنا ہوا ہے
کہ انہیں اس سے بھی حصول اقتدار میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے کہ خالص میکیاولیتی
عارضی ہی سہی، کامیاب بھی نہیں ہے لیکن مذہب کے نقاب میں سباست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی
خواہ اُس کے لئے کتنا ہی بدعہ سیلاب کی طرح یوں نہ بہا دیا جائے۔ اور وکلاء کا نظر فسی کی قسم کے
کتنے ہی نمائشی اسٹائل کیوں نہ ابتداء کر دیئے نہیں۔ لوگ اب اُن کی حقیقت سے واقع ہو چکے ہیں جیسا کہ
۲۹ سورہ کے نتھے میں دیکھا جا چکا ہے۔ يُخَلِّدُ عَوْنَ اللَّهَ هَا لِذِيْنَ أَنْتُمْ فَمَا يَجْزُءُ مُؤْمِنٌ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَهُمْ

حقائق و عبر

۱۔ غیر مسلم اقلیتیں

مژدوع جوں میں پاکستان میں اقلیتیں کا ہفتہ منایا گیا۔ قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے، اسلامی حکومت میں بیسے والے غیر مسلموں کی جان، مال، عزت، آبرد، حقی اکہ ان کی مذہبی پرستش گامبوں کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اس بنا پر، پاکستانی غیر مسلموں کو عندر الفضولت، ان تحفظات کی یقین دھانی اچھا انتظام ہے۔ لیکن اس یقین دھانی کے ساتھ اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جس اسلام نے اسلامی حکومت میں بیسے والے غیر مسلموں کو اس قدر تحفظات کی ضمانت دی ہے، اسی اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ اس حکومت (بہکہ ساری دنیا میں) بیسے والے مسلم اور غیر مسلم ایک قوم کے افراد ہیں ہو سکتے۔ یہ دو جو دو گانہ فومن کے افراد ہوتے ہیں۔ اسی کو ”عد قومی نظریہ“ کہتے ہیں جس پر مطالیہ پاکستان کی بنیاد رکھی اور جس بنیاد پر حکومت پاکستانیہ کی خارت استوار ہے۔ اس وضاحت کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ تحفظ حقوق کی ضمانت سے غیر مسلم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(۲)

۲۔ نظریہ پاکستان کا ارتقاء

ہمارے ہاں نظریہ پاکستان بھی معمتمہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس کے مخالفین اسے جو جو معانی پہنچاتے ہیں، اسے تو چھوڑ دیتے۔ اس کے موافقین کا بھی اس کے متعلق ذہن صاف نہیں۔ مثلًاً نوائے وقت (لاہور) کی ۳۰ مئی ۱۹۴۷ء کی اشاعت کے صفوہ اول پر ایک مبسوط مقالہ، نظریہ پاکستان کے حق میں شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ”نظریہ پاکستان کا ارتقاء۔“ یہ عنوان بتا رہا ہے کہ اس باب میں صاحبِ مضمون کا بھی ذہن صاف نہیں۔ ارتقاء کے معنی ہوتے ہیں کسی شے کا ناکمل شکل میں آغاز، اور اس کے بعد اس کا رفتہ رفتہ، بتدیریک، ترقی کر کے تکمیل تک پہنچنا۔ نظریہ پاکستان کی قطعاً یہ کیفیت نہیں۔ وہ خدا کے اہدی اصولوں کی طرح یہ اول ہی سے مکمل شکل لئے ہوئے تھا، اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ نظریہ پاکستان ہے — لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ — خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ یہ اساسی اصول یا نظریہ، رفتہ رفتہ، ترقی حاصل کر کے، اس مقام تک

حقائق وغیر

۱۔ غیر مسلم اقلیتیں

مشرد عجون میں پاکستان میں اقلیتوں کا چھٹہ منایا گیا۔ قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی سے، اسلامی حکومت میں بستے والے غیر مسلموں کی جان، مال، عزت، آمدور، حقیقی کہ اُن کی مذہبی پرستش اصول کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اس بنا پر، پاکستانی غیر مسلموں کو عند الضرورت، ان تحفظات کی یقینی دھانی اچھا انتظام ہے۔ لیکن اس یقینی دھانی کے ساتھ اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جس اسلام نے اسلامی حکومت میں بستے والے غیر مسلموں کو اس قدر تحفظات کی ضمانت دی ہے، اسی اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ اس حکومت (بکہ ساری دنیا میں) بستے والے مسلم اور غیر مسلم ایک قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔ یہ دو چڑاگانہ قوموں کے افراد ہوتے ہیں۔ اسی کو ”عد قومی نظریہ“ کہتے ہیں جس پر مطالعہ پاکستان کی بنیاد لختی اور جس بنیاد پر حکومت پاکستانیہ کی خارج استوار ہے۔ اس وضاحت کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ تحفظ حقوق کی ضمانت سے غیر مسلم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

۲۔ نظریہ پاکستان کا ارتقاء

ہمارے ہاں نظریہ پاکستان بھی محدث بن کر رہ گیا ہے۔ اس کے مخالفین اسے جو جو معانی پہنچاتے ہیں، اسے تو چھوڑ دیتے۔ اس کے موافقین کا بھی اس کے متعلق ذہن صاف نہیں۔ مثل نمائے وقت (لاہور) کی ۳۰ مئی ۱۹۴۷ء کی اشاعت کے صفحہ اول پر ایک مبسوط مقالہ، نظریہ پاکستان کے حق میں شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ”نظریہ پاکستان کا ارتقاء“۔ یہ عنوان بتا رہا ہے کہ اس باب میں صاحبِ مضمون کا بھی ذہن صاف نہیں۔ ارتقاء کے معنی ہوتے ہیں کسی شے کا تامکن شکل میں آغاز، اور اس کے بعد اس کا رفتہ رفتہ، متدرج ترقی کر کے تکمیل تک پہنچنا۔ نظریہ پاکستان کی قطعاً یہ کیفیت نہیں۔ وہ خدا کے ابدی اصول کی طرح یوم اول ہی سے مکمل مشکل لئے ہوئے تھا، اور ہدیثہ ایسا ہی رہے گا۔ نظریہ پاکستان ہے — لا إله إلا الله — خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ یہ اساسی اصول یا نظریہ، رفتہ رفتہ، ترقی حاصل کر کے، اس مقام تک

نہیں ہے۔ یہ روزِ آول سے ایسا ہی تھا۔ اب قرآن کریم میں دیکھئے، حضرت نوحؑ سے لے کر حضور پیغمبر اکرمؐ تک ہر رسولؐ کی دعوت کا آغاز اس سے ہوتا تھا کہ: يَقُولُ رَبُّكُمْ إِنَّمَاۤ أَنْعَدْتُۤ فِي الْأَرْضِ مَاۤ كَحْتُۤ مِنْ إِلَهٍۤ عَنِيْدٌۤ۔ (۱۷) یعنی لا إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ۔ یہی وہ دین ہے جس کے شعلن کہا کہ: مَاۤ ذَكَرْتُۤ بِهِۤ نُوْحًاۤ وَ السَّلَّيْمَۤ أَوْ حَيْثَاۤ الْيَدُكَ وَمَاۤ قَسْتُۤ بِهِۤ إِبْرَاهِيمَۤ وَمُوسَىۤ وَعِيسَىۤ (۲۳) "جس کا حکم نوحؑ۔ ابراہیم۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ اور اب (لے رسولؑ!) تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ یہی وہ دین ہے جسے قائم کرنے کے لئے اس خطہ زمین کو حاصل کیا گیا تھا۔ اور یہی نظریہ پاکستان تھا۔ لہذا، اس نظریہ میں ارتقا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پجز

۳۔ رام داس نہیں عبد الرحمن

کچھ عرصہ سے، اخبارات میں "اسلامی ترقیات بینک" کے نیام کی خبریں شائع ہو رہی ہیں جس کی بنیادی خصوصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں سودی کاروبار نہیں ہو گا۔ یہ خصوصیت بڑی روح پرور اور سرت افزا ہے۔ لیکن اب جو اس کی تفصیلات پاہر آ رہی ہیں قرآن سے معاملہ دگر گوں نظر آتا ہے۔ اس کے متعلق، جامعہ محمدی شریف، جنگ، کے ماہناں الہامعہ کی مئی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں خیر ہے کہ گذشتہ ماہ (اپریل) میں، اسلامی ترقیات بینک کے پریز ڈیونٹ ڈاکٹر احمد محمد علی، نے اپنے نام شروع کر دیا ہے۔

بنک اس سال کے اختتام سے پہلے نام شروع کر دیا گا۔ اس کا صدر دفتر جدہ میں ہو گا۔ اور کل سرمایہ ۲ ارب دینار یا ۲۵ ارب روپے ہو گا۔ بنک اپنے میر ممالک کو تعلیم، صحت عامہ، صنعت، تعمیرات، زراعت اور تجارت کو فروع دینے کے لئے بلڈ سودہ قرضہ چاہت ہے گا۔ سرمایہ لگائے والے ممالک کو سود کی بجائے اصل منافع حصہ رسیدی تقسیم کیا جائے گا جس کی مقدار یقیناً سود کے مقابلہ میں کٹی گئی گنتا زیادہ ہو گی۔ سرمایہ کی غایبی میں شریک ہونے والے ممالک اسلامی ہوں گے۔ ان کے مال تعاون کا صدق دل سے خیر مقدم کیا جائے گا۔ بنک کی یہ خصوصیات کہ اس کا کاروبار سود کی تجویز سے پاک ہو گا۔ نہایت مہارک ہے ایسا بنکاری نظام جس میں سود شامل نہ ہو بظاہر ایک جو یہ تصور کیا جائے گا، کبھی کہ سودی نظام پر یقین رکھنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بنکاری نظام سود کی شمولیت کے بغیر چلا جائی ہی نہیں جا سکتا۔ مگر اسلامی اخوت کا یہ مسخرہ زندہ

نہیں پہنچا۔ یہ روزہِ اول سے ایسا ہی تھا۔ اب قرآنِ کریم میں دیکھئے، حضرت نوحؑ سے لے کر حصہ
بیٹھ کر ملک ہر رسولؐ کی دعوت کا آغاز اس سے ہوتا تھا کہ: **يَقُولُهُ أَعْبُدُ وَاللَّهُ مَا
لَكُمْ مِنْ إِلَهٌ عَنْتِيْرُكَ**۔ (۱۰۷) یعنی لا الہ الا اللہ۔ یہی وہ دین ہے جس کے شعل
کہا کہ: **مَا وَصَّنَنِي بِهِ نُوحاً وَالشَّدِّيْرُ أَوْ حَبَّيْنَا إِلَيْكَ وَمَا قَوْشَيْنَا بِهِ
إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِبَّاسِيْ**..... (۲۴) "جس کا حکم نوحؑ۔ ابراہیم۔ موسےؑ
و عیسیؑ کو دیا گیا تھا۔ اور اب رکے رسولؑ تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔" یہی وہ دین
ہے جسے قائم کرنے کے لئے اس خطہٗ زمین کو شامل کیا گیا تھا۔ اندھی یہی نظریہ پاکستان
تھا۔ لہذا، اس نظریہ میں ارتقا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پڑا

۳۔ رام داس نہیں عبد الرحمن

کچھ عرصہ سے، اخبارات میں "اسلامی ترقیاتی بنیک" کے خیام کی خبریں شائع ہو رہی ہیں جس کی بنیادی خصوصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں سودی کاروبار نہیں ہو گا۔ یہ خصوصیت بڑی روح پرور اور مسترد افراد ہے۔ لیکن اب تک اس کی تفصیلات باہر آ رہی ہیں تو ان سے معاملہ دگر گوں نظر آتا ہے۔ اس کے منتعلق، جامعہ محمدی شریف، جہنمک، کے ماہنامہ الحامقہ کی مئی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں تحریر ہے کہ گذشتہ ماہ (اپریل) میں، اسلامی ترقیاتی بنیک کے پرنسپل ڈاکٹر احمد محمد علی، نے اپنے دورہ پاکستان کے دوران فرمایا کہ:-

بنک اس سال کے اختتام سے پہلے کام شروع کر دے گا۔ اس کا صدر

دقتر جدہ میں ہو گا۔ اور کل سرمایہ ۲ ارب دینار یا ۲۵ الی ۳۰ روپے ہو گا۔ بنک اپنے ممبر ممالک کو تعلیم، صحت عامہ، صنعت، تعمیرات، زراعت اور تجارت کو فروع دینے کے لئے بالسدود قرضہ جات دے گا۔ سرمایہ لگانے والے ممالک کو سود کی بجائے اصل منافع حصہ رسیدی تقسیم کیا جائے گا جس کی مقدار یقیناً سود کے مقابلہ میں کٹی گئی زیادہ ہو گی۔ سرمایہ کی فراہمی میں شریک ہونے والے ممالک اسلامی ہوں گے۔ ان کے مالی تعاون کا صدق دل سے خیر مقدم کیا جائے گا۔ بنک کی یہ خصوصیات کہ اس کا کاروبار سود کی تجویز سے پاک ہو گا۔ مہابت مہارک ہے ایسا بنکاری نظام جس میں سود شامل نہ ہو بظاہر ایک تجویز تعمیر کیا جائے گا، کبھی کہ سودی نظام پر یقین رکھنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بنکاری نظام سود کی شمولیت کے بغیر چلا دیا ہی نہیں جا سکتا۔ مگر اسلامی اخوت کا یہ معجزہ زندہ

حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آ رہا ہے۔ اب ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلامی اقدار پر مشتمل قرآنی ضایعات ہر دُور اور ہر ملک کی معاشری، معیشی اور اقتصادی ضروریات سے عینہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ سرمایہ مسلمان ممالک کا ہو گا۔ اس سے استفادہ کرنے والے ملک بھی مسلمان ہی ہوں گے، پھر سوقد کی ناپاک آلاتش دریاں میں کیوں رکھی جائے؟

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس اقتباس میں کتنا حصہ ڈاکٹر صاحب حمدودح کا ہے اور کتنا حصہ، الجامعہ کا۔ لیکن ان کا نقطہ نظر ماسکہ پر ہے کہ اس میں ۔۔۔

سرمایہ لگانے والے ممالک کو سوقد نہیں۔ منافع ملے گا۔ اور یوں یہ کاروبار سوقد کی ناپاک آلاتش سے پاک اور صاف ہو جانے گا۔

یعنی سوقد کا نام منافع رکھ لینے سے یہ سادا کاروبار اسلامی ہو جائے گا۔۔۔ خیر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فربی کہ خود فربی؟! ہمیں معلوم ہے کہ ہماری فقة میں مختاریت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور مختاریت کے معنی ہوتے ہیں۔ (SLEEPING PARTNERSHIP) یعنی ایک شخص کاروبار کرتا ہے اور دوسرا اُس میں کچھ روپیہ لگانے کا ہے۔ اور اس کا منافع دونوں پانٹ لیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مخفی روپیہ لگانے والے کا یہ منافع، اس کے سرمایہ پر ٹھوڑی (افٹنی) ہے، جسے قرآن المرجو اکہہ کر پکارتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں رتبہ حرام ہے اور مختاریت علال۔ دُوسری طرح جس طرح مزارعت یعنی زمین کی پیداوار کی طبائی حلال قرار دی جاتی ہے۔۔۔ یہی مختاریت ہے جس کے مطابق مجوزہ "اسلامی" بینک سے حاصل ہونے والا منافع، جائز قرار پائی گا۔ اس سے ہم اپنے آپ کو تو بے شک فریب دے لیں گے، لیکن سمجھیں ہمیں آتا کہ دنیا کو کس طرح مطمئن کریں گے کہ یہ سوقد نہیں۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہو گا کہ سوقد میں منافع کی شرح متعدد ہو گی، اور اسلامی بینک کی شرح غیرمتعدد۔ اور کہا یہ گیا ہے کہ اس کی مقدار، سوقد کے مقابله میں کہیں زیادہ ہو گی ما بات تو تفصیل چاہتی ہے، لیکن اشارہ اسے یوں سمجھئے کہ آپ کسی غریب محنت کش کو سوقد فرض دیتے ہیں، اور اس سے دس روپیے زائد وصول کرتے ہیں۔ اسے سوقد کہا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دس روپے آپ اُس مزدور کی محنت کی کمائی میں سے لیتے ہیں۔

دوسری طرف، بینک ایک صنعت کار کو فرضہ دیتا ہے جس سے وہ کارخانہ لگاتا ہے۔ اس سے وہ منافع حاصل کرتا ہے جس میں سے کچھ خود رکھ لیتا ہے۔ کچھ بینک کو دے دیتا ہے۔ بینک اُسے حصہ داروں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ زائد روپیہ آیا کہاں سے؟ ظاہر ہے کہ یہ، اُن محنت کشوں کی کمائی میں سے لیا گیا ہے جو اس کارخانہ میں کام کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ دونوں صورتوں میں زائد روپیہ محنت کشوں کی کمائی میں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اب اس کی ایک (پہلی الفردا) شکل کو حرام قرار دے دینا اور دوسرا (اجنمائی) شکل کو حلال طبیب، خود فرنجی یا خدا فرنجی نہیں تو اور کیا ہے؟ یاد رکھئے۔ قرآن کریم کی رو سے معاد فہرست (کام کرنے) کا ہے۔ سرمایہ کا نہیں۔ سرمایہ کا معاد فہرست بوجہ ہے خواہ اس کی کوئی شکل ہو۔ اس سلسلہ میں دو باتیں یاد رکھئے!

۱۔ ہمارے ماں جس تدریج اصطلاحات مردیج ہیں، جب تک ہم ان کے معانی (DEFINITIONS) قرآن کریم کی رو سے متعین نہیں کرتے، یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کوئی چیز جائز ہے اور کوئی ناجائز۔ اور

۲۔ بوجہ سے پاک اور صاف، کاروبار، محض ایک ناگُم کر دینے سے ممکن نہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب ہمارا بورے کا پورا معاشی نظام قرآن کے مطابق متشکل ہوگا۔

ب

۳۔ دنیا کا نہال چڑیا گھر

ہفتہ دار ایشیا کی ۹ مئی ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں، "کاغان کی چڑیوں سے لے کر مکان کے سلیک سے آٹھ پوٹے وکلاع کے عظیم الشان کل پاکستان کتوں کی رعدداد شائع ہوئی ہے۔ اس میں تقریبہ کرتے ہوئے، جماعت اسلامی کے پارلیمانی لیڈر، پروفیسر عبدالحقور احمد صاحب نے فرمایا: "چونکہ میں قانون کے مقدس پیشے سے متعلق نہیں۔ میری میں نے اس آئین پر مستخط ثابت کئے ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے معیار پر پہنچا نہیں اترتا اس لئے مجھے اس اجلاء میں الہام خیال کرتے ہوئے چاہ محسوس ہوتا ہے۔

یعنی یہ سے میاں (مودودی صاحب) مکالت کے پیشے کو حرام قرار دیتے ہیں، اور یہ حضرت ایسے مقدس پیشہ فرماتے ہیں! دوسرے یہ کہ اس جماعت نے یہ رسول یہ محدثوں را پیش کہ موجودہ آئین کو اسلامی بنانے کا سہرا اس جماعت کے سر ہے۔ اور اب پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ، الہام نے ایک ایسے آئین پر مستخط کئے ہیں جو اسلامی معیار پر پہنچا نہیں اترتا! یہ بجیب قسم کا چڑیا گھر ہے، جس میں ایک ہی نوع کا ہر جائز الگ الگ بولی جوتا ہے۔

(ضمناً) ایسا نظر آتا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے ایک مشورہ میں یہ حق بھی رکھے گی کہ وہ موجودہ "غیر اسلامی" آئین کو اسلامی معیار کے مطابق متشکل کرے گی۔

جھونکتے جاؤ: قوم کی آنکھوں میں دھول کہ آپ کے آنایاں نعمت کا یہی فرمان ہے۔

ب

اب اس کی ایک (پہلی الفرادي) شکل کو حرام قرار دے دینا اور دوسری (اجتہادی) شکل کو حلال طیب، خود فرنجی یا خدا فرنجی نہیں تو اور کیا ہے؟ یاد رکھئے۔ قرآن کریم کی رو سے معاوضہ محنت (کام کرنے) کا ہے۔ سرمایہ کا نہیں، سرمایہ کا معاوضہ رب جو ہے خواہ اس کی کوئی شکل مدد۔ اس سلسلہ میں دو یاتیں یاد رکھئے!

۱۔ ہمارے وال جس تدر اصطلاح مرجح ہے، جب تک ہم ان کے معانی (DEFINITION) قرآن کریم کی رو سے متعلق نہیں کرتے، یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کوئی چیز جائز ہے اور کوئی ناجائز۔ اور

۲۔ رب سے پاک اور صاف کاروبار، محض ایک بینک قائم کر دینے سے ممکن نہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب ہمارا پورے کا پورا معاشی نظام قرآن کے مطابق متشکل ہوگا۔

ب

ہم - و نیا کا نہ لالا چڑیا گھر

ہفتہ دار ایشیا کی ۹ مئی ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں، "کاغان کی چوٹیوں سے لے کر مکران کے حل بک سے آئے ہوئے وکالہ کے عظیم ارشان کل پاکستان کونٹن" کی روشناد شائع ہوئی ہے۔ اس میں تقریب کرتے ہوئے، جماعت اسلامی کے پارلیمنٹی لیڈر، پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب نے فرمایا:-
چونکہ میں تعالیٰ کے مقدس پیشے سے متعلق نہیں۔ میری میں نے اس آئین پر
دستخط ثبت کئے ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے معیار پر پہنا نہیں اترتا اس
لئے مجھے اس اجلے میں انہمار بخیال کرتے ہوئے چاہ محسوس ہونا ہے۔

یعنی یہ میاں (مودودی صاحب) مکالت کے پیشے کو حرام قرار دینے ہیں، اور یہ حضرت اسے مقدس پیشہ فرماتے ہیں! دوسرے یہ کہ اس جماعت نے یہ مصہد و را پیش کہ موجودہ آئین کو اسلامی بنانے کا سہرا اس جماعت کے سر ہے۔ اور اب پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ،
الہیں نے ایک ایسے آئین پر دستخط کئے ہیں جو اسلامی معیار پر پہنا نہیں اترتا! یہ عجیب قسم کا چڑیا گھر ہے، جس میں ایک ہی نوع کا ہر جائز الگ الگ بولی بولتا ہے۔

(ضمہا) ایسا نظر آتا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے ایکشنس نشوونہیں یہ شق بھی رکھے گی کہ فہ موجودہ "غیر اسلامی" آئین کو اسلامی معیار کے مطابق متشکل کرے گی۔

جو نکتے جاؤ: قوم کی آنکھوں میں دھول کہ آپ کے آنایاں نعمت کا یہی فرمان ہے۔

ب

۵۔ نظریہ پاکستان کس نے دیا تھا؟

لیں تو وہ کون سا دل ہے جب ہمیں عصرِ ہدید کے "صالحین" کی طرف سے ہفت سب وشتم نہیں بنتا پڑتا۔ لیکن طلووی اسلام بابت جول ۱۹۴۷ء میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ لوگ بدھ ملا اُنھے ہیں۔ حالانکہ اس میں پرده یونہی سر کایا گیا ہے۔ اگر پورا نقاب اُنھوں نے تو خدا جانے ان کی حالت کیا سہ جائے گی؟ پسیے یہ حضراتِ لگناہ چھپیاں لکھا کرتے رکھے لیکن اب زیادہ نورِ ٹیکنیکوں پر ہے۔ ہم نے سابقہ پرچہ میں لکھا تھا کہ میاں حفیل محمد صاحب کا یہ بیان کہ نظریہ پاکستان مودودی صاحب نے دیا تھا، کذبِ افتراء ہے۔ اس سے یہ لوگ بہت زیادہ سچا پا ہوئے ہیں۔ ہم سے پوچھا یہ جا رہا ہے کہ اگر یہ نظریہ مودودی نے نہیں دیا تھا، تو اور کس نے دیا تھا؟ ہم ان کی سعدت میں عرض کریں گے کہ جس پرچہ (بابتِ جمل) میں یہ لکھا گیا ہے کہ میاں صاحب کا یہ بیان کذبِ افتراء ہے، اسی کے حصے پر آپ کے اس سوانح کا جواب بھی موجود ہے کہ یہ نظریہ کس نے دیا تھا۔ اور وہ جواب ہے خود، آپ کے پیرو مرشد، مودودی صاحب کی طرف سے۔ وہ فرماتے ہیں:-

اقبالؒ نے ایک علیحدہ مملکت کی ضرورت پر تعددیتے ہوئے یہ واضح طور پر کہا تھا کہ اس سے سیاسی آزادی مقصود نہیں بلکہ اسلام کی حفاظت مقصود ہے۔ اقبالؒ نے آپ کو نظریہ دیا اور قائدِ اعظمؒ نے اس نظریہ کی نہاد پر ایک مطن حاصل کیا۔ (ایشیا۔ مورخ ۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء)

آپ نے دیکھ لیا کہ نظریہ پاکستان کس نے دیا تھا؟

لیکن یہ ٹوکرہ بھی صحیب ہے۔ یہکے درد باشد دگر پرده دارہ۔ امیر جماعتِ اسلامی (میاں طفیل محمدؒ) فرماتے ہیں کہ نظریہ پاکستان مودودی صاحب نے دیا تھا۔ مودودی صاحب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ لیکن وہ منہ میں گھنگھنیاں ڈالنے شہیٹ رہتے ہیں اور کسی سے نہیں کہتے کہ میاں صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ نہ ہی میاں صاحب کسی معرفت کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان کے اکابرین کی یہ کیفیت ہو تو اصحابِ ایمان میں سے کس کی جدائت ہے کہ وہ کہہ دے کہ جھوٹ بولا گیا ہے!

(ن)

خط و کتابت کرنے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ درجہ تعمیل ارشاد میں تا خبر ہو جاتی ہے۔ جواب طلب امور کے لئے جابی خط لکھئے۔

(ناظم ادارہ طلووی اسلام لاہور)

۵۔ نظریہ پاکستان کس نے دیا تھا؟

یوں تو وہ کونسا دن ہے جب ہمیں عصرِ حدید کے "صلحیں" کی طرف سے ہرست سب و شتم نہیں ملتا۔ لیکن طلویع اسلام بابت جون ۱۹۴۷ء میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ لوگ بوجھلا اُٹھتے ہیں۔ — حالانکہ اس میں پردہ بونہی سر کایا گیا ہے۔ اگر پورا نقاب اُٹھ گیا تو خدا جانتے ان کی حالت کیا ہو جائے گی؟ پہلے یہ حضراتِ مکہم چھٹھیاں لکھا کرتے رکھتے لیکن اب زیادہ نورِ طیبینوں پر ہے۔ ہم نے سابقہ پرچہ میں لکھا تھا کہ میالِ طفیل محمد صاحب کا یہ بیان کہ نظریہ پاکستان مودودی پر ہے۔ ہم نے دیا تھا، کذب و افتراء ہے۔ اس سے یہ لوگ بہت زیادہ سچن پا ہوئے ہیں۔ ہم سے پوچھا یہ جا رہا ہے کہ اگر یہ نظریہ مودودی نے ہمیں دیا تھا، تو اور کس نے دیا تھا؟ ہم اُن کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جس پرچہ (بابتِ جون) میں یہ لکھا گیا ہے کہ میال صاحب کا یہ بیان کذب و افتراء ہے، اسی کے بعد آپ کے اس سوال کا جواب بھی موجود ہے کہ یہ نظریہ کس نے دیا تھا۔ اور وہ جواب ہے خود آپ کے پیرو مرشد، مودودی صاحب کی طرف سے۔ وہ فرماتے ہیں:-

اقبالؒ نے اپک علیحدہ مملکت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ واضح طور پر کہا تھا کہ اس سے سیاسی آزادی مقصود نہیں بلکہ اسلام کی حفاظت مقصود ہے۔ اقبالؒ نے آپ کو نظریہ دیا اور تائید اعظمؔ نے اس نظریہ کی نہیں پر اپک وطن حاصل کیا۔ (ایشیا۔ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء)

آپ نے دیکھ لیا کہ نظریہ پاکستان کس نے دیا تھا؟
لیکن یہ کوئی بھی عجیب ہے۔ یہ کے ذریعہ باشد دگر پردہ داد۔ — امیر جاماعت اسلامی (میال طفیل محمدؒ) فرماتے ہیں کہ نظریہ پاکستان مودودی صاحب نے دیا تھا۔ مودودی صاحب کے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ لیکن وہ منہ میں گھنٹھنیاں ڈالنے شہی رہتے ہیں اور کسی سے نہیں سمجھتے کہ میال صاحب نے غلط بیان سے کام لیا ہے۔ نہ ہی میال صاحب کسی معذرت کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان کے اکابرین کی یہ کیفیت ہو تو اصحابِ میں سے کس کی جدائی ہے کہ وہ کہہ دے کہ جھوٹ بولا گیا ہے؟

(ب)—————

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ درست تعمیل ارشاد میں تاجر ہو جاتی ہے۔ — جوابِ طلب امور کے لئے جو ابی خط لکھتے۔

(ناظم ادارہ طلویع اسلام لاہور)

صحاپر کپار اور جماعتِ اسلامی

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

اس مقولہ نے قریب قریب ساری دنیا میں ایک مسئلہ کی جیشیت اختیار کر رکھی ہے۔ اور ہاتھے بھی تھیک۔ لیوں تو اس کا اطلاق ہر معلم اور مرلی (ترجیت کرنے والے) پر ہوتا ہے۔ لیکن آسمانی دھوت القلاوب کے داعیان (حضرات انبیاء کرام) کے سلسلہ میں اس کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے۔ یہ داعی اپنے پیغام کو عام کرتے ہیں، اور جو لوگ اسے بے عذر و صفا قبل کر لیتے لئے۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت یہ خاص توجہ دیتے ہیں۔ یہی وہ "پھل" تھے جس سے پہچانا جاتا تھا کہ اس داعی کی تعلیم و تربیت کیسی تھی۔ یہی حضرات اپنے انسانیت ساز سٹی کی مددافت کی زندگی شہادت فرار پاتے تھے۔ اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد، اس کی تعلیم اور پیغام کے مخالفین و معاذین، اس کے مشن کو جھوٹا اور ناکام ثابت کرنے کے لئے ایک سازش کرتے، یعنی وہ تاریخ کو اس طرح منع کرتے جس سے اس داعی کے تربیت اور صحبت یافتگان کا کردار نہایت داغدار ہو کر سامنے آئے۔ اس سازش کے بعد انہیں اس داعی اور اس کی تعلیم کے خلاف کچھ اور کہنے اور کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ وہ دنیا سے کہتے کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ سو جس درخت کے پھل ایسے ہوں، اس کے شجر طیب یا خدیث ہونے کے متعلق آپ خود قبصہ کر لیجئے۔ حضور نبی اکرمؐ سے پہلے، سلسلہ انبیاء کرامؐ کی آخری کڑی حضرت علیؑ تھے۔ ان کے خلاف (خود انہی کے نام نہاد متعبدین میں سے بعض سنئے) اسی قسم کی سازش کی۔ انہوں نے، اس وعد کی تاریخ (الجیل) کو منع کیا اور یہ ثابت کیا کہ حضرت علیؑ کے محل ہائے (۱۲) تربیت یافت، حواری تھے۔ ان میں سے ایک نے تو آپ کو چند پیسوں کے ہوشیں، پولیس کے حوالے کر دیا، اور باقی گوارہ انہیں نہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب ظاہر ہے کہ جس درخت کے پھل ایسے ہوں، اس کے خلاف کچھ کہنے کی، ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ سازش الیسی خطراں ک اور اس کے نتائج ایسے دور رس تھے کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس کی تزوید کرنی پڑتی۔ اس نے (قرآن کریم میں) کہا کہ حضرت علیؑ کے تربیت یافتگان اس قسم کے پست کردار کے حامل نہیں تھے۔ ان کی ملندری سیرت کا تو یہ عالم کدا کہ جب حضرت علیؑ نے اپنے مخالفین کی طرف سے خطو محسوس کیا تو اپنی جماعت کے افراد سے کہا کہ من انصاری ای اللہ۔ کون ہے جو خدا کے مشن کی تکمیل کے لئے میر درگار بنتا ہے؟ تو قالَ الحُوَارُ لَيْلُونَ۔

صحا پر کپار اور جماعتِ اسلامی

درخت اپنے پھل سے پھپانا ہما نہیں ہے۔

اس مقولہ نے قریب فریب ساری دنیا میں ایک مسلمان کی حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔ اور بات ہے بھی تھیک۔ یوں تو اس کا اطلاق ہر معلم اور مرتب (ترجیت کرنے والے) پر ہوتا ہے۔ لیکن آسمانِ دعوتِ القلاط کے داعیان (حضرات انبیاء کرام) کے ساتھ میں اس کی اہمیت بہت بڑھ چلتی ہے۔ یہ داعی اپنے پیغام کو عام کرتے ہیں، اور جو لوگ اسے پر عذر و صفا قبول کر لیتے ہیں۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت کے خاص توجہ دیتے ہیں — یہی وہ پھل "کچے جن سے پھپانا جاتا تھا" کہ اس داعی کی تعلیم و تربیت کیسی تھی۔ یہی حضرات اپنے انسانیت ساز مشن کی صداقت کی نزدِ شہادت فرار ہاتے تھے۔ اس کے دنیا سے چلنے ہوانے کے بعد، اس کی تعلیم اور پیغام کے مخالفین و معاذین، اس کے مشن کو جھوٹا اور ناکام ثابت کرنے کے لئے ایک سازش کرتے، یعنی وہ تائیخ کو اس طرح مسخ کرتے جس سے اس داعی کے تربیت اور صحبت یافتگان کا کردار نہایت داغدار ہو کر سامنے آئے۔ اس سازش کے بعد انہیں اس داعی اور اس کی تعلیم کے خلاف کچھ اور کہنے اور کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ وہ دنیا سے کہتے کہ "درخت اپنے پھل سے پھپانا ہما نہیں ہے۔ سو جس درخت کے پھل ایسے ہوں، اس کے شجر طیب یا خدیث ہونے کے متعلق آپ خود فیصلہ کر لیجئے۔ حضور نبی اکرمؐ سے پہلے، ساتھ انبیاء کرامؐ کی آخری کڑی حضرت علیؑؐ تھے۔ ان کے خلاف (خود انہی کے نام نہاد معتبرین میں سے بعض لئے) اسی فرم کی سازش کی۔ انہوں نے، اس عدد کی تاریخ (ابنیل) کو مسخ کیا اور یہ ثابت کیا کہ حضرت علیؑؐ کے محل بارہ (۱۲) تربیت یافت، حواری تھے۔ ان میں سے ایک نے تو آپ کو چند پیسوں کے ہوش، اپنیس کے حوالے کر دیا، اور باقی گوارہ انہیں تنہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب ظاہر ہے کہ جس درخت کے پھل ایسے ہوں، اس کے خلاف کچھ کہنے کی، ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ سازش الیسی خطرناک اور اس کے نتائج ایسے دور رس نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس کی تزوید کرنی پڑے۔ اس نے (قرآن کریم میں) کہا کہ حضرت علیؑؐ کے تربیت یافتگان اس قسم کے پست کردار کے حامل نہیں تھے۔ ان کی بلندی میریت کا تو یہ عالم کدا کہ جب حضرت علیؑؐ نے اپنے مخالفین کی طرف سے خط و محسوس کیا تو اپنی جماعت کے افراد سے کہا کہ من انصاری ایں اللہ۔ — کون ہے جو خدا کے مشن کی تخلیل کے لئے میرا مدگار بنتا ہے؟ تو قالَ اللَّهُ أَوْلَى بِيْرَبِّيْنَ۔

نَعْنُ أَذْصَادُ اللَّهِ (۱۹۳) "حواریوں نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھی اور مددگار ہیں۔ اور پھر انہوں نے حضرت عیسیے اعم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ چنانچہ ان کے اس بلند کردار کو، قرآن کریم نے خود جماعت سو میں کچھ تقابل تقدیم نہ کر دیا اور کہا کہ تم حضرت عیسیے کے حواریوں کی طرح الصاد الشدید کر دکھانا۔ (۱۹۴) قرآن کریم نے اس واقعہ کو بیان ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کیا ہے کہ اس فرم کے شہریب (شیعی یا رسول) کے ثراۃ ایسے گروئے، کہیے نہیں ہوتے جیسے کہ عیمانیوں کی مسیح کریمہ تاریخ نے انہیں پیش کیا ہے۔ وہ نہایت لطیف، شیری اور خوشگوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے نبی اکرمؐ کا منصب رسالت یہ بھی بتایا کہ — وَ مَيْزَكَيْتُهُمْ وَ لَعْلَمَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ۔ (۱۹۵) وہ اپنے رفقاء کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور ان کی تربیت نفس کرتا ہے۔ اس قسم کی تھی وہ جماعت جسے نبی اکرمؐ نے تیار فرمایا تھا۔ ہبھی اس طبقہ طیب کے غرض شیریں تھے۔ انہیں قرآن کریم نے اچالی طور پر "وَالَّذِينَ يَنْعَمُونَ" کہہ کر پکارا ہے۔ (۱۹۶) یعنی "رسول اللہ کے ساتھیوں" اور ان کی بنیادی خصوصیت یہ تھا کہ آشِلَّ أَعْوَالَ الْكَعَادِ رَحْمَةً وَ بَنَيَتُهُمْ۔ (۱۹۷) وہ مخالفین کے مقابلہ میں چنان کی طرح سخت تھے اور ہبھار کر نہایت پہنچدی۔ انہی کو صحابہ کیا رہا کہا جاتا ہے۔ یعنی رسول اللہ کے ساتھی۔ حضورؐ کے دوست۔

انہیاں سالقہ اور ان کے ساتھیوں سے متعلق مسیح شدہ تاریخ کی تفصیل تو قرآن کریم نے کہ دی، لیکن چونکہ رسول اللہؐ کے بعد کسی نہیں، اور قرآن کے بعد کسی کتاب نے آئا نہیں تھا، اس لئے قرآن کریم نے ان اصحابِ رسول کی سیرت و کردار کو خود اپنے اوراق میں محفوظ کر دیا تاکہ بعد میں کوئی ان کے پاکیزہ چہروں کو داغدار نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کی سیرت کی شہادت (مسیح شدہ) تاریخ نہیں، بلکہ خود قرآن پیش کرے گا، اور تاریخ کا کوئی بیان جو قرآن جو قرآن سند و شہادت کے خلاف ہوگا، اسے سازش سمجھا جائے گا۔

حضرور نبی اکرمؐ نے قریب تیرہ سال تک، مکہ میں ان بزرگیوں افراد کی تعلیم و تربیت کی، اس کے بعد، جب حضورؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، تو انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ انہیں قرآن کریم نے ہبھاریں کہہ کر پکارا ہے، اور ہبھاریں میں سے بھی سابقین الارکانی۔ سبقت کرنے والے۔

مدینہ کی جماعت کے افراد نے، ان ہبھاریں کو دل و جان سے بوش آئندہ کیا اور (قرآن کے الفاظ میں) انہیں خود اپنے پر ترجیح دے کر، انہیں مدینہ میں بسایا۔ ان کی اس نصرت و حمایت کی بنا پر، قرآن کریم نے انہیں الصاد کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ ہجرت کا سلسلہ اس کے بعد بھی چاری رہا۔ اور قرآن کریم نے ان ہبھاریں کو، السالیقون الاقلوون۔ "خلوس و صداقت سے اتباع کرنے والے" کہہ کر پکارا۔ متبوعین باحسان (۱۹۸) یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا، جب کہ کسے ہمیانہ باشندہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (انہیں، قرآن کے الفاظ میں نہیں، بھکہ

نَعْنُ أَذْصَادُهُ اللَّهُ (۱۰۷) "حراریوں نے کہا کہ ہم آپ کے سالحقی اور مددگار ہیں۔ اور پھر انہیں نے حضرت عیسیٰؑ کا پورا پورا ساختہ دیا۔ چنانچہ ان کے اس بلند کردار کو، قرآنِ کریم نے خود جماعتِ مسلمین کیلئے قابل تقدیم توانہ قرار دیا اور کہا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کے حراریوں کی طرح الصمار اللہ بن کر دکھانا۔ (بہلولاً) قرآنِ کریم نے اس واقعہ کو بیان ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کیا ہے کہ اس فرم کے شہریب (نیگ یا رسول) کے ثرات ایسے گزرے، کہیں نہیں ہوتے جیسے کہ عیسائیوں کی مسخ کریمہ تاریخ نے انہیں پیش کیا ہے۔ وہ نہایت لطیف، شیری اور خوشگوار ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے نبی اکرمؐ کا منصب رسالت یہ بھی بتایا کہ — وَ مَيْدَكَتِيْهُمْ وَ لَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ۔ (بہلولاً) وہ اپنے رفقاء کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور ان کی تربیت نفس کرتا ہے۔ اس قسم کی محنت وہ جماعت جسے نبی اکرمؐ نے تیار فرمایا تھا۔ یہی اس شہر طیب کے نظر شیری ہے۔ انہیں قرآنِ کریم نے اجنبی طور پر "وَالَّذِينَ يُنَزَّلُونَ مَعَهُ" کہہ کر پہکارا ہے۔ (بہلولاً) یعنی "رسول اللہ کے سالحقی" اور ان کی بنیادی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ آشِلَّ أَعْوَاعَهُ أَكْعَافَهُ وَ حَمَادَهُ وَ بَيْتَهُمْ۔ (بہلولاً) وہ مخالفین کے مقابلہ میں چڑاں کی طرح سخت تھے اور ہبہاگر نہایت پسند کرتا۔ انہی کو صاحبوں کیا رہا کہا ہے۔ یعنی رسول اللہ کے سالحقی۔ حضورؐ کے درست۔

انہیاًع سابقہ اور ان کے سالھیوں سے متعلق مسخ شدہ تاریخ کی تفصیل تو قرآنِ کریم نے کر دی، لیکن چونکہ رسول اللہؐ کے بعد کسی نبی، اور قرآن کے بعد کسی کتاب نے آماں نہیں تھا، اس لئے قرآنِ کریم نے ان اصحابِ رسولؐ کی سیرت و کردار کو خود اپنے اور اپنی میں محفوظ کر دیا تاکہ بعد میں کوئی ان کے پاکیزہ چہروں کو داغدار نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کی سیرت کی شہادت (مسخ شدہ) تاریخ نہیں، بلکہ خود قرآن پیش کرے گا، اور تاریخ کا کوئی بیان جو قرآنی سند و شہادت کے خلاف ہے، اسے سازش سمجھا جائے گا۔

حضور نبی اکرمؐ نے قریب تیرہ سال تک، مکہ میں ان بزرگزیدہ افراد کی تعلیم و تربیت کی، اس کے بعد، جب حضورؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، تو انہوں نے بھی ساختہ دیا۔ انہیں قرآنِ کریم نے ہبہ جریں کہہ کر پہکارا ہے، اور ہبہ جریں میں سے بھی سابقین الاقلوں۔ سبقت کرنے والے۔

مدینہ کی جماعت کے افراد نے، ان ہبہ جریں کو دل و جان سے نوش آئندہ کیا اور (قرآن کے الفاظ میں) انہیں خود اپنے پر ترجیح دے کر، انہیں مدینہ میں بسا یا۔ ان کی اس نصرت و حمایت کی بنا پر، قرآنِ کریم نے انہیں الصمار کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ ہجرت کا سلسلہ اس کے بعد بھی چاری رہا۔ اور قرآنِ کریم نے ان ہبہ جریں کو، السالقون الاقلوں۔ خلوص و صداقت سے اتباع کرنے والے کہہ کر پہکارا۔ متبعین باحسان (۹۰)۔ یہ سلسلہ فتح مگہ بسک بجادی رہا، جب تک کسے ہاتھیانہ باشندوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (انہیں، قرآن کے الفاظ میں نہیں، بلکہ

تاریخ کے الفاظ میں، طلاق کہ کہ پکارا جاتا ہے، یعنی جنہیں جنگ کے بعد آزاد کیا گیا تھا۔) قرآن کریم نے ان گروہوں کا اکابر اللہ، ان حسین و محبیل الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

صحابہ کبار اور قرآن کریم

(۱) وہ لوگ جہنوں نے بحیرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا (چاہرین و مجاہدین) اور جہنوں نے ان پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ سب کے سب سچے اور پیکے مومن (مومنون حقاً) ہیں۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور نہایت باعثت رزق۔ (۲/۷)

(۲) چاہرین اور انصار میں سے جہنوں نے سبقت کی تھی (المساپقوں الاقلوں) اور جہنوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔ خدا نے ان کے لئے جنت کے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے شیخ پانی (ذریعہ شادابی) بعال دعا رہتا ہے۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۰۰)

وہ سرسے مقام پر کہا کہ اُولٹشک منکھُ (ہجڑ) یہ بھی قسم ہی ہیں سے ہیں۔

(۳) وہ لوگ جہنوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا اور جنکوں میں شریک ہوتے اور وہ جہنوں نے اس کے بعد ایسا کیا، مدارج کے اعتباً سے تو یہ دونوں گروہ ایک جیسے ہیں۔ الساقلوں الاقلوں کے مارچ بے شک بلند ہیں۔ لیکن خدا کے حسینی اور خوشنگوار وعدے (یعنی جنت اور مغفرت کے وعدے) ان سب کے لئے ہیں۔ خدا تم سب کے اعمال سے باخبر ہے۔ (اس لئے اس نے یہ ضمانت یوں ہی نہیں دے دی)۔

یہ تھی رسول اللہؐ کے ساتھیوں کی دھماعت جن کے متعلق کہا کہ "خدا وہ ہے جس نے، اسے رسولؐ... اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین کو فیکاری نظریت اور تائید کا موجب بنایا" (۶۷)۔ لہذا تیرے لئے اللہ اور یہ جماعت، جس نے تیرا اتباع کیا ہے، کافی ہے۔

ان قرآنی تصریحات سے واضح ہے کہ، جو خوش بخت افراد، حضورؐ کی دولت کے لیے اول سے حیات نبھی کے آخری لمحات تک، ایمان لائے، ان کا شمار مندرجہ بالا نہروں میں ہوتا ہے، اور ان کے موت کی جگہ میں کسی قسم کا شک دشیبہ نہیں۔ یعنی قرآن کریم نے مومنین کی جو صفات بیان کی ہیں یہ ان سے منصف تھے۔

قرآن کریم نے العتبہ، اس کی تخصیص کر دی ہے کہ اعراب (بدؤں) میں سے ایسے قابل تھے جن کے ایمان ناپکنہ تھے۔ اپنی میں وہ بھی تھے جنہیں قرآن نے منافقین کہ کہ پکارا ہے۔ (۷۹)

جبیا کہ پسے کہا جا چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے ایمان و عمل کی شہادت کو خود اپنی کتاب میں اس لئے محفوظ کر دیا کہ اسے مسلم تھا کہ (جس طرح اپنیاً سبق کے ساتھیوں سے ہوا ہے) کامیخ کو مسخر کر کے، رسول اللہؐ کے ساتھیوں کی سیرت کو بھی وافد ادار کیا جائے گا، تاکہ دنیا سے کہا جائے کہ جس

تاریخ کے الفاظ میں، طلاقا کہ کر پکارا جانا ہے، یعنی جنہیں جنگ کے بعد آزاد کیا گیا تھا۔ قرآن کریم نے ان گروہوں کا الگ الگ، ان حسین و محیل الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

صحابہؓ کبار اور قرآن کریم

(۱) وہ لوگ جنہوں نے جہالت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا (جہاجرین و مجاهدین) اور جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی ہدایت کی۔ یہ سب کے سب سچے اور پیکے مومن (مومنون حقا) ہیں۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور نہایت باعثت رحم۔ (۴۰)

(۲) جہاجرین اور انصار میں سے جنہوں نے سبقت کی تھی (السابقون الاقلون) اور جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔ خدا نے ان کے لئے جنت کے باغات نیاز کر رکھے ہیں جن کے شیخے پانی (ذریعہ شادابی) بعال دعا رہتا ہے۔ ان میں وہ بھیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۶۰)

وہ سرے نظام پر کہا کہ اولیٰ شکر متنکر (ہجۃ) یہ بھی قسم ہی ہیں ہے۔

(۳) وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں مال خیچ کیا اور جنگوں میں شریک ہوتے اور وہ جنہوں نے اس کے بعد ایسا کیا، مدرج کے اعتباً سے تو یہ دونوں گروہ ایک جیسے نہیں۔ السابقوں الاقلون کے مدرج یہ شک بلند ہیں۔ لیکن خدا کے حسینی اور خونگوار وعدے (یعنی جنت اور مغفرت کے وعدے) ان سب کے لئے ہیں۔ خدا نہم سب کے اعمال سے باخبر ہے۔ (اس لئے اس نے یہ حکمت یوں ہی نہیں دے دی)۔

یہ تھی رسول اللہؐ کے ساتھیوں کی دہ جماعت جن کے متعلق کہا کہ "خدا وہ ہے جس نے، رکے رسول!... اپنی نصرت اور جماعت مونین کو تمہاری نظریت اور تائید کا موجب بنایا۔" (۴۰) - الحمد للہ تیرے لئے، اللہ اور یہ جماعت، جس نے نیزا اتباع کیا ہے، کافی ہے!

ان قرآنی تصریحات سے واضح ہے کہ، جو خوش بخت افراد، حضورؐ کی دعوت کے لیے اقل سے حیات بھی کے آخری لمحات تک، ایمان لائے، ان کا شمار مندرجہ بالا نہ مردی میں ہوتا ہے اور ان کے مومن ہجۃ میں کسی قسم کا شک دشیبہ نہیں۔ یعنی قرآن کریم نے مونین کی جو صفات بیان کی ہیں یہ ان سے متصف تھے۔

قرآن کریم نے العبة، اس کی تحسیص کر دی ہے کہ اعراب (بدؤں) میں سے الیسے تمہل لئے جن کے ایمان ناکنہ تھے۔ امہی میں وہ بھی تھے جنہیں قرآن نے منافقین کہہ کر پکارا ہے۔ (۴۰)

جبیا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اللہ تمہل نے ان حضرات کے ایمان و عمل کی شہادت کو خود اپنی کتاب میں اس لئے محفوظ کر دیا کہ اس سے معلوم تھا کہ (جس طرح اپنیا گم ساتھ کے ساتھیوں سے ہوا ہے) گامیخ کو مسخ کر سکے، رسول اللہؐ کے ساتھیوں کی سیرت کو بھی دانہدار کیا جائے گا، تاکہ دریا سے کہا جائے کہ جس

درخت کے بچل الجسے ہیں، اس کی صداقت کے متعلق تم خود اندازہ لگاوا مسخ شدہ تاریخ

چنانچہ ہمارے صدر اقل کی تاریخ کے ساتھ بھی بھی کیا گی۔ اسے اس قدر مسخ کیا گیا کہ اس میں ان صحابہ رسول اللہ کی سیرت و کرداد نہایت گھناؤنی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ہمارے لئے، مخالفین اسلام اور معاندین حضور رسالت کے خلاف اس سازش سے محفوظ رہنے کا طریق نہایت آسان تھا۔ اس کے لئے ہیں کہنا ہے چاہیئے تھا کہ ان حضراتؐ کے متعلق تاریخ میں جو کچھ ایسا لکھا ہے، جو ایک مومن کے شایان شان نہیں ہو سکتا، وہ وضع کروہ ہے۔ اسے ہم مسترد کرنے ہیں۔ ہمارا ایمان، قرآنی شہادات پر ہے، تاریخی تحریفات پر نہیں۔ لیکن ہم میں پہنچ بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس مسخ شدہ تاریخ کو قرآنی شہادت پر ترجیح دی اور اب بھی ایسے بھی موجود ہیں جو نماذج کی اس سازش کو کاملاً نہایت کے لئے ادھار کھائے سمجھتے ہیں۔ ان کا سلک یہ ہے کہ تاریخ کے یہ واقعات پہنچے ہیں اور قرآن کی شہادت (معاذ اللہ) ناقابلِ اعتقاد ہے۔ ہمارے ذمہ میں مدد و دی صاحب کا نام، ان میں سرفہرست آتا ہے۔ یہ صاحب، اس مسخ شدہ تاریخ سے جن چون کر ایسے داقعات نکالنے میں جن سے صحابہ کہار (بیشمول خلفائے ناشدین رضی) کی سیرت داعڑا جوئی ہو، اور اسے اپنے معاذین اور تفاصیل مدد و دی صاحب اور صحابہؓ کرام | میں اچھا اچھا کر پیش کرتے ہیں۔ (پڑھا تو تہیہ سپر فلم کی ہے، وہ اس کے بعد سامنے آئے گا۔

مدد و دی صاحب اپنی اس ایمان سوز جنم کا آغاز، خود حضورؐ کی حیات طبیہ کے دوران سے کرتے ہیں، وہ خلافت و ملوکیت (منہٹ پر) لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن سعد، حضرت عثمانؓ کے رضامی بھائی تھے۔ وہ (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے اور حضورؐ کے خلاف بہت سی غلط فہیمان پھیلانے کے مرتکب تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر "حضرتؐ نے جن لوگوں کے متعلق اعلان فرمایا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں میں بھی چھپے ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے، ان ہیں یہ بھی شامل تھے"۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے انہیں اپنے پاس جھپٹا لیا اور جب کہ میں امن امام چونا توہر۔

حضرت عثمانؓ ان کو نے کہ حضورؐ کے سامنے پہنچ گئے اور ان کے لئے عقیبی کی درخواست کرتے ہوئے گزارش کی کہ ان کی بیعت قبول فرمائیں۔ حضورؐ غافوش رہے حتیٰ کہ یہی مرتبہ ان کی درخواست پر غافوش رہنے کے بعد آپؐ نے ان سے بیعت لے لی۔

درخت کے بھیل الجیسے ہیں، اس کی صداقت کے متعلق تم خود اندازہ لگا لو!

مسخ شدہ تاریخ

چنانچہ ہمارے صدر اقبال کی تاریخ کے ساتھ بھی بھی کیا گیا۔ اسے اس قدر مسخ کیا گیا کہ اس میں ان صحابہ رسول اللہ کی سیرت و کردار نہایت گھناؤنی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ہمارے لئے، مخالفین اسلام اور معاویہ حضور رسالت کے خلاف اس سازش سے محفوظ رہتے کا طرتی نہایت آسان تھا۔ اس کے لئے ہمیں کہنا یہ سچا ہے تھا کہ ان حضراتؓ کے متعلق تاریخ میں جو کچھ ایسا لکھا ہوا ہے، جو ایسی مومی کے شایان شان نہیں ہو سکتا، وہ وضع کردہ ہے۔ اسے ہم مسترد کرنے ہیں۔ ہمارا ابھان، قرآن شہادات پر ہے، تاریخی تحریفات پر نہیں۔ لیکن ہم میں پہنچے بھی الجیسے لوگ موجود رہتے جنہوں نے اس مسخ شدہ تاریخ کو قرآنی شہادات پر ترجیح دی اور اب بھی یہی پہنچے لوگ موجود ہیں جو مخالفین کی اس سازش کو کامیاب نہانے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ تاریخ کے یہ واقعات پہنچے ہیں اور قرآن کی شہادات (معاذ اللہ) تقابل اعتماد۔ ہمارے زمانے میں مودودی صاحب کا نام، ان میں سرفہرست آتا ہے۔ یہ صاحب، اس مسخ شدہ تاریخ سے جن چون کر الجیسے داقعات نکالنے ہیں جن سے صحابہ کیا رحم (بیشمول خلفائے راشدین رض) کی سیرت داعزادہ جوئی ہو، اور اسے اپنے معاویہ اور تفاریز مودودی صاحب اور صاحب پیر کرام [میں اجھا اچھا کر پیش کرتے ہیں۔] (یہ صاحب تو نو ف بالله حضور رسالت کی ذاتِ اللہ تک کو نہیں بخشتے۔ لیکن یہ موضوع الگ ہے۔) پہلے یہ، مختلف مقالات و رسائل میں ایسا کرتے رہے اور بعد ازاں، اس موضوع پر ایک مستقل کتاب شائع کر دی۔ خلافت و عاویت۔ ہم دل پر چھڑ کوکر، ان میں سے دو چار مثالیں بیہاں پیش کرتے ہیں۔ جس مقصد کے لئے ہم نے یہ طویل تمہید پیر فریلم کی ہے، وہ اس کے بعد سامنے آئے گا۔

مودودی صاحب اپنی اس ابھان سوز نہم کا آغاز، خود حضورؐ کی حیاتی طبیبہ کے دوران سے کرتے ہیں، وہ "خلافت و عاویت" (منہج پر) لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن سعد، حضرت عثمان رض کے رضاعی بھائی تھے۔ (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے اور حضورؐ کے خلاف بہت سی غلط فہمیاں پھیلانے کے مرتکب تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر "حضرت نے جن لوگوں کے متعلق اعلان فرمایا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں میں بھی چھپے ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے، ان میں یہ بھی شامل تھے۔ لیکن حضرت عثمان رض نے انہیں اپنے پاس چھپا لیا اور جب کہ میں امن اماں چو کیا تو:

حضرت عثمان رض ان کو سے کہ حضورؐ کے سامنے پہنچ گئے اور ان کے لئے عفو پیغام کی درخواست کرتے ہوئے گزارش کی کہ ان کی بیعت قبول فرمائیں۔ حضورؐ غاموش رہے تھا کہ تین مرتبہ ان کی درخواست پر غاموش رہنے کے بعد آپ نے ان سے بیعت لے لی۔

اور پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا بھولا آدمی نہ رکھا گا کہ جب میں بیعت نہیں لے رہا تھا تو وہ اُنھیں قتل کر دیتا۔ حضور کیا گیا کہ ہم آپ کے اشارے کا انتظام کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا، نبی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے خفیہ اشارے کرے۔

آپ دیکھتے کہ "خلافت و بولکیت" کے مؤلف نے ایک تیر سے کستہ جگہ شکاف کر دیتے۔ یعنی:-

(۱) جس شخص کے متعلق حضورؐ نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں میں بھی جب چلے تو بھی اسے قتل کر دیا جائے، حضرت عثمانؓ اسے اپنے ہاں چھوٹے رکھتے ہیں۔ کیا معصیت رسولؐ کی اس سے زیادہ نہایا مثال کوئی اور بھی ہو سکتی ہے؟ — اس معصیت رسولؐ کی مثال جس کی سزا (قرآنی کریم کی افسوس سے) جہنم ہے۔

(۲) حضرت عثمانؓ کی درخواست غفور پر حضورؐ خاموش رہتے ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ اسے پسند نہیں فرماتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ اس کے باوجودہ اپنی درخواست پر اصرار کے جاتے ہیں؛

محمد میں نہیں آتا کہ اسے کیا کہا جائے؟

(۳) رسول اللہ دل سے چاہتے ہیں کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے، لیکن زبان سے ایسا نہیں کہتے۔ سچے کہ اس سے خود ذاتِ رسالت کا کس قسم کا کروار سامنے آتا ہے؟ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

(۴) حضورؐ صحابہ کرامؓ کو قتل ائمہؓ ہیں کہ جب میں نئے اس قسم کا انداز اختیار کر رکھا تھا تو تم نے اس شخص کو قتل کیوں نہ کر دیا۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اگر آپ زبان سے ایسا نہیں کہنا چاہتے تو، تو کم از کم آنکھ ہی سے اس قسم کا اشارة کر دیتے! اور آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نبی اشارہ نہیں کیا کرتا، لیکن حضورؐ یہ بات نہ زبان سے کہتے ہیں، نہ اشارة کرتے ہیں، لیکن چاہتے ہیں کہ آپ کے صحابہؓ خود ہی حضورؐ کا عنید سمجھ جائیں اور اسی شخص کو قتل کر دیں۔ (امتنع اللہ)

حالانکہ یہی صاحب (مودودی صاحب) دوسری جگہ یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ جب حضورؐ نے اپنے بعض صحابہؓ کو کہیں بن اشرف کے قتل کرنے کی ہم درودانہ فرمایا تو انہیں اجازت دی کہ اگر مزدودت پڑے تو تم جھوٹت سے بھی کام لے لیں۔ اور انہوں نے (توہہ۔ توہہ) نہایت فریب کارانہ انداز سے اُسے قتل کر دیا۔ (ترجمان القرآن - ہفت، ص ۵۸ شمارہ ۱۹۵۸)

لکھا

مودودی صاحب اور حضرت عثمانؓ

ج نقا (مودودی صاحب کے ندویک) حضرت عثمانؓ کا کروار، رسول اللہ کی زندگی میں۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ نے منصب خلافت سنبھالا تو کیا ہوا، اسے عوaz سے منیئے۔ لکھتے ہیں:-

اک طرف حکومتِ اسلامی کی تبریز تاریخ و سوت کی وجہ سے کام لوز بھر فر زیادہ سخت

اور پھر صحابہ کرامؐ سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا بحدا آدمی نہ تھا کہ جب میں بیت نہیں لے رہا تھا تو وہ اُمّہ کر انہیں قتل کر دیتا۔ حضورؐ کیا گیا کہ ہم آپؐ کے اشارے کا انتکار کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا، بھی کام یہ نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے خفیہ اشارے کر رہے۔

آپ دیکھئے کہ "خلافت و بروکیت" کے مؤلف نے ایک نیر سے کہتے ہجڑ شکاف کر دیئے۔ یعنی:-

(۱) جس شخص کے متعلق حضورؐ نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پہ دوں میں بھی چپ جائے تو بھی اسے قتل کر دیا جائے، حضرت عثمانؐ اسے اپنے ہاں چھپائے رکھتے ہیں۔ کیا معصیت رسولؐ کی اس سے زیادہ نہایاں مثال کوئی اور بھی ہو سکتی ہے؟ — اس معصیت رسولؐ کی مثال جس کی سزا (قرآنؐ کریم کی رو سے) جہنم ہے۔

(۲) حضرت عثمانؐ کی درخواست حضورؐ خاموش رہتے ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ اسے پسند نہیں فرماتے۔ لیکن حضرت عثمانؐ اس کے باوجودہ اپنی درخواست پر انصار کے چالئے ہیں، تھمہ میں نہیں آتا کہ اسے کیا کہا جائے؟

(۳) رسولؐ اللہ دل سے چاہتے ہیں کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے، لیکن زبان سے ایسا نہیں کہتے، سچھے کہ اس سے خود ذاتِ رسولؐ کا کس قسم کا کروار سامنے آتا ہے؟ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

(۴) حضورؐ صحابہ کرامؐ کو ڈراستھے ہیں کہ جب ہیں سننے اس قسم کا انداز اختیار کر رکھا تھا تو تم نے اس شخص کو قتل کیوں نہ کر دیا۔ وہ بحث ہیں کہ اگر آپؐ زبان سے ایسا نہیں کہنا چاہتے تھے، تو کم از کم آنحضرت سے اس قسم کا اشارہ کر دیتے اور آپؐ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نبی اشارہ نہیں کیا کرتا، یعنی حضورؐ یہ بات نہ زبانی سے کہتے ہیں، نہ اشارہ کرتے ہیں، لیکن چاہتے یہ ہی کہ آپؐ کے صیاد خود ہی حضورؐ کا بوندیہ سمجھ جائیں اور اس شخص کو قتل کر دیں۔ (انغفران اللہ) —

حالانکہ یہی صاحب (موروثی صاحب) دوسری جگہ یہ بھی لکھ رکھے ہیں کہ جب حضورؐ نے لپٹے بعض صحابہؐ کو کسب بن اشرف کے قتل کرنے کی ہم برداشت فرمایا تو انہیں اجازت دی کہ اگر مزدور پڑتے تو نہ بھوٹت سے بھی کام لے لینا۔ اور انہوں نے (توہہ۔ توہہ) مہابت فریب کارانہ انداز سے اُسے قتل کر دیا۔ (ترجمان القرآن۔ ہامت، میشی ۱۹۵۷ء)

لپٹ

مودودی صاحب اور حضرت عثمانؐ

چ نغا (مودودی صاحب کے نزدیک) حضرت عثمانؐ کا کروار، رسولؐ اللہ کی زندگی ہیں۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؐ نے منصب خلافت سنبھالا تو کہا ہوا، اسے ٹوڑ سے سنبھئے۔ لکھتے ہیں:-

اکی طرف حکومتِ اسلامی کی تیر رکھا و سوت کی وجہ سے کام لوز بروز زیادہ سخت

ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان بن عفی جنہ پر اس کا عظیم کا بار رکھا گیا تھا، ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جیلیں اللہ پیش روں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام کے اندر گھسنے آئے کا راستہ مل گیا۔ (تمہید و احیاء دین)

یہ تنقید یا تنقیبیں بلا واسطہ تو حضرت عثمان بن عفی کی ہے لیکن بالواسطہ اس کی زندگی میں تمام صفات آجائے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی نظام کے استحکام کی ذمہ داری تنہیا حضرت عثمان بن عفی (خلیفہ) کے سر برہ نہیں تھی۔ (قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق) حمدکت کا جملہ نظم و نسق صحابہؓ کی مشاورت سے سراجِ حرام ہاتھا اس لئے اگر اس میں جاہلیت (بعنی زماں قبل از اسلام کے کافراۃ نظام) کے گھسنے کے راستے کھل گئے تھے تو اس کی ذمہ داری تنہیا خلیفہ پر نہیں بلکہ جلدی صحابہ پر ہاتھ ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پہیں نظر رکھئیجئے کہ حضرت عثمان بن عفی کا عہد خلافت، حضورؐ کی وفات کے صرف ہارہ تیرو سال بعد شروع ہو چاہا ہے، اس لئے اس وقت وہ "جہاں بنی و القوار" موجود تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے السابقوں الاقلوں سے قبیر کیا، اور مومن حقد کر کر لکھا رہے۔ یہی حضرات (رضی اللہ عنہم) شجر طیب رسالت پر کے ثہرات اولین تھے — اور ان کی (بقول مودودی صاحب) یہ حالت تھی: (یہاں بلکہ) مودودی صاحب کی یہ تنقید تو حضرت عثمان بن عفی کے نظام حمدکت کی سراجِ حرام دہی کے سند میں تھی۔ اب ان کے ذات کروار کی طرف آئیئے، لکھتے ہیں:

لیکن ہبہ ان کے (شیخوں کے) بعد حضرت عثمان بن عفی کی ہوئے تو وہ رفتہ رفتہ اس پالیسی سے پہنچتے گئے (جس پر رسول اللہ اور اولین دو خلفاء کا بند چلے آ رہے تھے)، انہوں نے پہلے درپیے اپنے دشمن داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اغراض بن کر رہیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۳۱)

مودودی صاحب (اور ان کی جماعت) کی طرف سے موجودہ (یکہ تشکیل پاکستان کے بعد آج تک کے) بوسرا اقتدار طبقہ کے خلاف جو فرمودہ جنم مرتب کی جاتی ہے اس میں اقرباً نوازی اور خریش پروری، سرفہرست ہوتی ہے۔ آپ دیکھتے کہ یہ صاحب، کس دھڑکے سے حضرت عثمان بن عفی کو اسی جنم کا مرتب کردار دیتے ہیں؟ اپنے جن افراد کو حضرت عثمان بن عفی نے اس طرح نوازا تھا، ان کا ذاتی کیمکٹر کس قسم کا تھا، اس کے متعلق مودودی صاحب ولید بن عقبہ کی مثال پہیں کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت عثمان بن عفی نہ انہیں کو سمجھے جیسے اہم صوبہ کا گورنر بنایا۔ وہاں یہ راز فاش ہوا کہ یہ شراب نوشی کے عادی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک روز انہوں نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی اور پھر پڑھ کر لوگوں سے پوچھا۔ "اور پڑھاؤں؟" (ص ۱۱۶)

یہ ہے حضرت عثمان بن عفی کا کردار جسے ہے صاحب اس حملت و بے باکی سے پہیں فرمائے ہیں اور اس سے قطعاً

ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بے اس کارہ علیہم کا بارہ رکھا گیا تھا، ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جمیل الفنون پیش روں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام کے امداد گھس آئے کا راستہ مل گیا۔

(تمہدید و احیاء درین)

یہ تنقید یا تنقیص بلا واسطہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی زندگی میں تمام صفات آجاتے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی نظام کے استحکام کی ذمہ داری تنہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (خلیفہ) کے سر برہ نہیں تھی۔ (قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق) حملہ کا جملہ نظم و نسق صحابہؓ کی مشاورت سے سراجیم ہاتھا اس لئے اگر اس میں جاہلیت (یعنی زمانہ قبل از اسلام کے کافر امام نظام) کے گھس آئے کے راستے کھل گئے تو اس کی ذمہ داری تنہی خلیفہ پر نہیں بلکہ جملہ صحابہ پر عائد ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی بیش نظر رکھیجئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت، حضورؐ کی وفات کے صرف بارہ نیروں سال بعد شروع ہو چاہا ہے، اس لئے اس وقت وہ "چہارین و انعام" موجود تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے السابقوں الا قلوبن سے تعبیر کیا، اور مومن حقہ کہہ کر لکھا رہے ہے۔ یہی حضرات (رضی اللہ عنہم) شجر طیب رسالتکر کے ثراث اولین تھے — اور ان کی (القول مودودی صاحب) یہ حالت تھی؛ (پناہ بخدا)

مودودی صاحب کی یہ تنقید تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نظام حملہ کی سراجیم دہی کے سلسلہ میں تھی۔ اب ان کے ذائق کروار کی طرف آئیئے، لکھتے ہیں ہے

لیکن ہبہ ان کے (شیخینؓ کے) بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تھوڑے تو وہ رفتہ رفتہ اس پالیسی سے مہنتے گئے (جس پر رسول اللہ اور اولین دو خلفاء کا ربند حلپے آ رہے تھے۔ انہوں نے پہلے درپیس اپنے رشته داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اغراض بن کر رہیں۔ (خلافت و ملوکیت نشانہ)

مودودی صاحب (اور ان کی جماعت) کی طرف سے موجودہ (بلکہ تشکیل پاکستان کے بعد آج تک کے) بر سر اقدار طبقہ کے خلاف جو فوج جنم مرتب کی جاتی ہے اس میں افریاناوازی اور خلیش پروری، سرفہرست ہوتی ہے۔ آپ دیکھئے کہ یہ صاحب کس وضیعت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی جنم کا مرتب قرار دیتے ہیں؟ اپنے جو افریا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس طرح نوازا تھا، ان کا ذائق کیر کٹر کس قسم کا تھا، اس کے متعلق مودودی صاحب ولید بن عقبہ کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منہ جیسے اہم صورہ کا گورنر بنایا۔ وہاں یہ راز فاش ہوا کہ یہ شراب نوشی کے عادی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک روز انہوں نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی اور پھر پڑھ کر لوگوں سے پوچھا۔ "اور پڑھواؤں"؟ (صلی)

یہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار جسے ہے صاحب اس حالت و بے باکی سے پیش فرمائے ہیں اور اس سے قطعاً

نہیں شریانے؟ یہ (حضرت) عثمانؓ کی کون ہیں؟

- (۱) انہیں سابقوں الا قبور میں سے ایک نہایت ممتاز اور جلیل القدر ہستی جن کے مومن حقد ہوئے کی شہادت، اور جن کے لئے جنت کی خلافت خود خدا نے دی تھی۔
- (۲) وہ جہنوں نے "اسلام" کے ایامِ حسرت کے زمانہ میں، اس تدریسی امدادوں کی تھی، جو آج تک صرب المثل ہے۔

(۳) وہ (حضرت) عثمانؓ جن سے حضورؐ نبی اکرم نے اپنی (ایک بڑی نہیں بلکہ پیکے بعد دیگر سے) دو بیٹوں کا تکاچ کیا۔ ہم خود مودودی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ اپنی کسی صاحبزادی کے لئے رشته تلاش کرتے ہیں، تو سب سے پہلے لڑکے کی سیرت دکڑا دیکھنے کے متعلق کس قدر تجسس و تفہم سے کام لیتے، اور اس کی طرف سے اپنا اطمینان کر لیتے ہیں۔ سوچئے کہ جن بندگوں کو حضورؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں کے درخت کے لئے منتخب فرمایا تھا، ان کا کروار اس قسم کا ہدما جسے آپ پیش فراہم ہے ہیں؟ اس سے خود حضورؐ کی ذات پر جس قسم کا طعن پڑتا ہے، اسے کاش!

آپ اسی کا خیال کر لیتے!

(۴) یہ وہ حضرت عثمانؓ ہیں کہ صلح مددیسیہ کے موقع پر حضورؐ نے انہیں اپنا سیفربنا کر قریش کی طرف بھیجا۔ جب یہ خڑکی کو قریش نے آپ کو شہید کر دیا ہے تو حضورؐ نے تمام صحابہؓ میں سے، سرفوشی کی بیعت لی، جسے بیعتِ وحیان کہہ کر پکارا جاتا ہے اور جس کا ذکر قرآن کریم نے وجہ دیکھ کر ساختہ کیا ہے۔

(۵) یہ وہ (حضرت عثمانؓ) ہیں جنہیں صحابہ کرامؓ نے منصبِ خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ اگر ان کا کردار ایسا ہی تھا تو ان لوگوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جہنوں نے اس کردار کے حامل کو اپنے منصب جدید کے لئے منتخب کیا تھا،

(۶) اور یہ وہ (حضرت عثمانؓ) ہیں جن کا شائع کردہ نسخہ قرآن، امت میں مستند تسلیم کیا جاتا چلا آ رہا ہے۔ آپ سوچئے کہ جب اس شخص کا کردار، جو ساری ہر حضورؐ نبی اکرم کے ذریعہ تعلیم و تربیت دیا، اور جسے حضورؐ نے اپنی قرابت داری کے لئے منتخب کیا، اس قسم کا تھا، تو اس سے اس "درخت" کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے جس کا "محل" اس قسم کا تھا؟

صحابہؓ مرتضیٰ ہو گئے تھے!

اس کے بعد، بہ جیسا تھا جو سعی صحابہؓ کے متعلق سنیئے۔

کسی نے مودودی صاحب سے ایک سوال پوچھا۔ اس نے پہلے یہ روایت لکھی کہ:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت کے دن میرے بعض اصحاب کو ہائی طرف سے گرفتار کیا جائے گا تو میں کہوں گا (انہیں کچھ نہ کہو) یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ یہ تو میرے

نہیں شرمنا تھے؛ یہ (حضرت) عثمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں ہیں ؟

- (۱) انہیں سایسقون الاقلوں میں سے ایک نہایت ممتاز اور جبلیل القدر ہستی جن کے مدنظر ہوئے کی شہادت، اور جن کے لئے جنت کی ضمانت خود خدا نے دی تھی۔
- (۲) وہ جہنوں نے "اسلام" کے ایام حضرت کے زمانے میں، اس قدر مالی امداد دی تھی، جو آج تک ضرب المثل ہے۔

(۳) وہ (حضرت) عثمان رحمۃ اللہ علیہ حضور نبی اکرم نے اپنی (ایک بڑی نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے) دو بیٹوں کا نکاح کیا۔ ہم خود مودودی صاحب سے پڑھتے ہیں کہ جب آپ اپنی کسی صاحبزادی کے لئے رشته تلاش کرتے ہیں، تو سب سے پہلے لڑکے کی سیرت و کردار کے متعلق کس قدر تجسس و تفہم سے کام لیتے، اور اس کی طرف سے اپنا اطمینان کر لیتے ہیں۔ سوچئے کہ جن بزرگوں کو حضور نے اپنی دو صاحبزادیوں کے رشتے کے لئے منتخب فرمایا تھا، ان کا کردار اس قسم کا ہو گا جسے آپ پیش فرمادے ہیں؟ اس سے خود حضور کی ذات پر جس قسم کا طعن پڑتا ہے، اسے کاوش! آپ اسی کا خیال کر لیتے!

(۴) یہ وہ حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ کصلح حدیثیہ کے موقع پر حضور نے انہیں اپنا سفیر بنانا کہ قریش کی طرف بھیجا۔ جب یہ خبر اڑی کہ قریش نے آپ کو شہید کر دیا ہے تو حضور نے تمام صحابہؓ سے، سرفوشی کی بیوت لی، جسے بیعتِ رعنوان کہہ کر پکارا جاتا ہے اور جس کا ذکر قرآن کریم نے وجہ دیکھ کے ساختہ کیا ہے۔

(۵) یہ وہ (حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جنہیں صحابہ کرامؓ نے منصبِ خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ اگر ان کا کردار ایسا ہی تھا تو ان لوگوں کے متعین کیا کہا جائے گا جہنوں نے اس کردار کے حامل کو ایسے منصبِ جدید کے لئے منتخب کیا تھا،

(۶) اور یہ وہ (حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جن کا شائع کردہ نسخہ قرآن، امت میں مستند تسلیم کیا جاتا چلا آ رہا ہے۔ آپ سوچئے کہ جب اس شخص کا کردار، جو ساری ہر حضور نبی اکرم کے زیرِ تعلیم و تربیت رہا، اور جسے حضور نے اپنی فرازت واری کے لئے منتخب کیا، اس قسم کا تھا، تو اس سے اس "ورخت" کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے جس کا "پبل" اس قسم کا تھا؟

صحابہ مرتد ہو سکتے تھے!

اس کے بعد، بہ جمیعتِ جماعتی صحابہ کے متعین سنئے۔

کسی نے مودودی صاحب سے ایک سوال پوچھا۔ اس نے پہلے یہ روایت لکھی کہ:

جناب نبی اکرم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے بعض اصحاب کو ہمیں طرف سے گرفتار کیا جائے گا تو یہ کہو لگا (انہیں کچھ نہ کہو) یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ یہ تو میرے

اصحاب ہیں۔ جواب ملے گا کہ نبیری وفات کے بعد یہ لوگ اٹھی چال رکھیے۔ ان سکر پر جد میں حضرت عیسیٰؑ کی طرح کہوں گا کہ خداوندا! جب تک بیش ان میں موجود رہے، ان کے اعمال کا لکڑاں رہا، لیکن تو نہتے مجھے وفات دی تو قریب ہی ان کا رفیق تھا۔ اس روایت کے درج کرنے کے بعد، مستفسر نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ: اس روایت سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم الجمعین کی توپیں اور تحفیز متاثر ہوتی ہے۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟

اس سوال کا مد نظر میں بجا پیدا ہے تھا کہ یہ روایت (بکہ اس قبل کی دیگر روایات) جن میں صحابہؓ کی سیرت و اغفار ہوتی ہوئی وضی ہیں اور معاندین اسلام کی سازش کا نتیجہ جو اس فہم کے "صلیل" پیش کر کے "درخت" کو ملعول کرنا پہانتے تھے۔ لیکن مودودی صاحب نے جواب میں لکھا:-
یہ معاملہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہؓ کے ذمہ سے میں شمار ہوتے تھے مگر آپ کے بعد مرد ہو گئے۔ اور ان لوگوں سے بھی متعلق چہوں نے حضورؐ کے عہد میں اسلام تو فہل کر نیا تھا مگر بعد میں بُری روش اختیار کر لی۔ (رسائل و مسائل، حقد سوم۔ ص ۲۱۲-۲۱۳)

اس جواب کی حقیقت و عدم کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ لوگ یقین جنہیں حضورؐ سے تدبیم و تربیت مل کر نہ کام و قع نہیں ملا تھا۔ (یعنی وہ اعزاب جن کا ذکر ہم پہلے کر رکے ہیں) لیکن، شتنی اول کا تعلق تو حضورؐ کے تدبیم و تربیت پافتنہ صحابہؓ کیا رہا ہے۔ مودودی صاحب، تلبیم کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے کبھی بعض، حضورؐ کے بعد (معاذ اللہ) مرد ہو گئے تھے! فرمائیے! اس سے حضورؐ کے متعلق کیا تصور ذہن میں آتا ہے؟

کہا جائے گا کہ یہ بات کتب احادیث میں مکھی ملتی ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے نزدیک کسی روایت کا احادیث کے معتبر ترین مجموعی (بخاری اور مسلم تک) میں درج ہونا اس کے صحیح ہونے کی صفات نہیں۔ حدیث وہی صحیح ہوگئی ہے "مراجع شناس رسول" صحیح فواردیدہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

صحابہؓ اور پیغمبر

اور آگے بڑھئے۔ جماعتِ اسلامی کے تھانی، ایشیا (لاراہور) بابت ۲۱ ارجن ۱۹۷۳ء میں شائع شدہ ایک روپریت کے مطابق، مودودی صاحب نے لاہور کی ایک مجلسی ذکر حسینؑ کو غاظتی کرتے ہوئے ایک تقریب کی۔ اس میں یہ لفظ بھی دیکھا۔ آگتا ہے کہ یہ کیوں تھا کہ یہ تقریب کے زمانے میں جس قدر صحابہؓ موجود تھے (جن کی تعداد قریب پوری تین سو بیانی جاتی ہے)۔ ان سب نے یہ تقدیم کی بہت سریع اور صرف امام حسینؑ نے اس کی مخالفت کی تھی۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے فرمایا ہے

اصحاب ہیں۔ جواب ملے گا کہ نبیری وفات کے بعد یہ لوگ الٹی چال رکھ لپھے۔ ان سکر پر جد میں حضرت عبیسیؑ کی طرح کہوں گا کہ خداوندا! جب تک، یعنی ان میں موجود نہ ہے، ان کے اعمال کا نگران رہا، لیکن تو نے مجھے دفات دی تو قوہ ہی ان کا رفیق نہ ہوا۔
اس روایت کے درج کرنے کے بعد، مستفسر نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ:
اس روایت سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین اور تحفیز متشرع ہوتی ہے۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟

اس سوال کا دو نقطوں میں جواب یہ روایت ہے (یعنی اس قبل کی دیگر روایت) جس میں صحابہؓ کی سیرت و اخبار ہوتی ہوئی ہیں اور معاندین اسلام کی سازش کا تصریح جو اس ششم کے محل "پیش کر کے درخت" کو مطلعوں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مودودی صاحب نے جواب میں لکھا:-
یہ معاملہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو شیعی حملے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہؓ کے ذمہ سے میں شمار ہوتے تھے مگر آپ کے بعد مرد ہو گئے۔ اور ان لوگوں سے بھی متعلق جہنوں نے حضورؐ کے عہد میں اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر بعد میں بڑی روشن اختیار کر لی۔ (رسائل و مسائل، حصہ سوم۔ ص ۲۱۲-۲۱۳)

اس جواب کی شیعی دوام کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں حضورؐ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ (یعنی وہ اخراج جن کا ذکر ہم پہلے کر لیکے ہیں) لیکن شیعی اول کا تعلق تو حضورؐ کے تعلیم و تربیت پا فتنہ صحابہؓ کیا رہا تھا سے ہے۔ مودودی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ صحابہؓ کیا میں سے بھی بعض، حضورؐ کے بعد (معاذ اللہ) مرد ہو گئے تھے! فرمائیں! اس سے حضورؐ کے متعلق کیا تصور ذہن میں آتا ہے؟

کہا جائے گا کہ یہ بات کتب احادیث میں کھی ملتی ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے نزدیک کسی روایت کا احادیث کے معتبر تین مجموعوں (بخاری اور مسلم تک) میں درج ہونا اس کے صحیح ہونے کی صفات نہیں۔ حدیث دہی صحیح ہو گئی ہے "مزاج شناس رسول" صحیح فارددیدے۔ اس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

صحابہؓ اور پیغمبر

اور آگے بڑھتے۔ جماعتِ اسلامی کے تھانی، ایشیا (الاہوس) باہت ۲۱ (جن) ۱۹۷۸ء میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق، مودودی صاحب نے لاہور کی ایک مجلسی ذکر حسینؑ کو فنا ہب کرتے ہوئے ایک تقریب کی۔ اس میں یہ لفظ بھی دیکھا گیا کہ یہ کیا کہ یہ زندگی کے زمانے میں جس قدر صحابہؓ موجود تھے (جن کی تعداد قریب لپھتے تین سو بتائی جاتی ہے)۔ ان سب نے یہ زندگی بیجتھے، کر لی تھی اور حرف امام حسینؑ نے اس کی مخالفت کی تھی۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے فرمایا:-

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے تو بیعت کر لی تھی۔ حضرت حسینؑ نے کہوں نہ کی اور وہ ان کو مطلعون کرتے ہیں، حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھتا ہوا شما کا کام نہیں..... یہ حضرت حسینؑ ہی کا نمونہ تو ہے جو مسلمان حکومت کے بگاڑ کے وقت مسلمانوں کی راہنمائی کرتا ہے..... یہ نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حکومت بگڑ رہی ہو تو مسلمان کا کام تماش بین بن کر بیٹھنا نہیں، بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اصلاح کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے، خواہ آنکھلا ہی ہو اور خواہ بکھر نہیجہ ہو۔

بہم نے اس اقتباس کو محض یہ بتانے کے لئے درج کرنے کی پہت کی ہے کہ مودودی صاحب، صحابہؓ کو "بھا شما" کہہ کر پکارتے ہیں اور انہیں (معاذ اللہ) "تماش بین" قرار دیتے ہیں جو ایسے اہم واقعہ پر کسی "مسلمان کا کام" نہیں ہو سکتا۔ اس سے آپ خود فیصلہ کر لیجئیے کہ وہ ان صحابہؓ کو کس صفت م پہنچا رہے ہیں۔
یہ عجیب الفقیر ہے کہ اسی ایشیا کی ۲۱ مئی ۱۹۷۲ء کی اشاعت ہیں، جیب المسم نامی ایک صاحب کا ایک شدید (ڈی مکتبہ) شائع ہوا، جس میں انہوں نے لکھا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ بینیت کی خلافت اسلام کے خلاف تھی اور اس کے باوجود صحابہؓ نے اس کی بیعت کر لی، کیا وہ ہے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ کرامؓ، خاک ہدھن، گستاخ، بزول، یا لاہجی لختے کہ انہوں نے حق کا ساتھ نہ دیا اور گھروں میں بیٹھے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مدافعت فرمائے۔

اس کے بعد، انہوں نے لکھا کہ:-

بار لوگوں نے تو جہود و روانہ تلاش کیا ہوا ہے۔ بینیت کو جڑا کھو۔ پھر بینیت کو خلیفہ بنانے والوں اور بزرائی والوں کو جڑا کھو۔ پھر جب معاویہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمر بن العاصؓ کو جڑا کیا جائے گا تو بات ضرور ان تک پہنچی کی جنہوں نے ان لوگوں پر اختیار کیا اور آگے بڑھا۔

ایشیا نے اسے بھی شائع کر دیا اور مودودی صاحب کو پرستور "اللہ کا شاہکار" بھی قرار دیا چلا جائیگا:

مدینہ کے صحابہؓ

ایک قدم اور اگلے بڑھیے۔ لیکن جو کچھ اب سانتے آ رہا ہے، اسے سیدنا پھر رکھ کر پڑھئے۔
مودودی صاحب نے "خلافت و ملوکیت" میں لکھا ہے کہ جب بینیت کی فوج نے مدینہ فتح کیا تو۔
بینیت کے حکم کے مطابق انہیں دل کے لئے فرج کو اجازت دیے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ ان تین دلوں کے اندھے..... وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صحابہؓ نے تو بیعت کر لی تھی۔ حضرت حسینؑ نے کیوں نہ کی اور وہ ان کو مطہر کرتے ہیں، حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھتا ہما شما کا کام نہیں..... بہ حضرت حسینؑ ہیں کہ انہوں نے ہے جو مسلمان حکومت کے پکار کے وقت مسلمانوں کی راہنمائی کرتا ہے..... یہ نہیں یہ ہے کہ مسلمان حکومت بگڑ دیا ہو تو مسلمان کا کام تماش بین بن کر بیٹھنا نہیں، بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اصلاح کے لئے کھڑا ہو جاتے، خواہ آہلا ہی سو اونہ خواہ کچھ نتیجہ ہو۔

ہم نے اس اقتباس کو محسن یہ بتانے کے لئے درج کرنے کی ہمت کی ہے کہ مودودی صاحب، صحابہؓ کیلئے کو "ہما شما" کہہ کر پکارتے ہیں اور انہیں (معاذ اللہ) "تماش بین" قرار دیتے ہیں جو ایسے اہم دافعہ ہے کسی "مسلمان کا کام" نہیں ہو سکتا۔ اس سے آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ وہ ان صحابہؓ کو کس مقام پر پہنچا رہے ہیں ।

یہ عجیب الفاظ ہے کہ اسی ایشیا کی ۲۱ ستمبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں، جیب المسلم نامی ایک صاحب کا ایک مسئلہ (ریاضتی) شائع ہوا، جس میں انہوں نے لکھا کہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ یزید کی خلافت اسلام کے خلاف تھی اور اس کے باوجود صحابہؓ نے اس کی بیعت کر لی، کیا وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ، خاک پہنچ، گستاخ، بزول، یا لاپھی سمجھتے کہ انہوں نے حق کا ساتھ نہ دیا اور گھروں میں بیٹھے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مدافعت فرمائے۔

اس کے بعد، انہوں نے لکھا کہ:

پار لوگوں نے تو چور دردانہ تلاش کیا ہوا ہے۔ یزید کو بُرا کہو۔ پھر یزید کو خلیفہ بنانے والوں اور پرانے والوں کو بُرا کہو۔ پھر جب معاویہ، مغیرہ بن شعبہ وہ اور سعید بن العاصؓ کو بُرا کیا جائے گا تو بات ضرور ان تک پہنچی کی جنہوں نے ان لوگوں پر اعتماد کیا اور آگے ٹڑھا۔

ایشیا نے اسے بھی شائق کر دیا اور مودودی صاحب کو پرستور "اللہ کا شاہکار" بھی قرار دیا چلہ جائیگا:

مدینہ کے صحابہؓ

ایک قدم اور آگے ٹڑھیئے۔ لیکن جو کچھ اب ساخت آ رہا ہے، اسے سینہ پر پھر لکھ کر ٹڑھئے۔ مودودی صاحب نے "خلافت و ملوکیت" میں لکھا ہے کہ جب یزید کی فوج نے مدینہ فتح کیا تو:-
یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لئے فرج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کر سے۔ ان تین دنوں کے اندھے..... وحشی خوجیوں نے گھروں میں محس

گھس کر بے دریغ خود قتل کی عصمت دری کی اور (حافظہ ابن کثیر کے قول کے مطابق کہا جاتا ہے کہ) ان دنوں میں ایک ہزار خود تین نذانتے حاملہ ہوئیں۔ (مل ۱۵۳)

پینیڈ کی فوج کے "خشیوں" کو چھوڑ دیتے۔ مدینہ طیبہ کی آبادی کو لیجئے۔ یہ (مبینہ) واقعہ رسول اللہؐ کی وفات سے صرف پچاس سال بعد کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت، یہ آبادی صحابہ کیا رہا اور تابعینہ ہر شتمل تھی۔ اور ان میں سورتیں بھی شامل تھیں اور مرد بھی۔ یہ خواتین تین دن تک نذان سے حاملہ ہوتی رہیں اور ان کے مرد (صحابہؓ اور تابعین) خاموش بیٹھے تماشا دیکھتے رہتے۔ (استغفار اللہ)

ہزار ہار استغفار اللہ

یہ ہے جو کچھ اس شخص (خلافت و ملوکیت کے مؤلف) نے صحابہ کیا رہا کے متعلق لکھا ہے۔ آپ سوچیں کہ کیا اسلام اور حضور رسالت کا کوئی ہدترین، چیز مسلم، خلافت، اس سے زیادہ کچھ اورہ مکھ سکتا تھا! اور اس کے بعد آپ خوز فرمائیے کہ جس درخت کے پھل (لبقول مودودی ساحب) ایسے ہوں، اس کے متعلق دنیا کیا تصور فہریں میں قائم کرسے گی۔

اب آئیے اس واقعہ کی طرف جس تک پہنچنے کے لئے ہم نے یہ قدر سے طویل (اور نہایت جگہ باش) سفر ہے کیا ہے۔ کچھ دنوں کی بات ہے، قادیینی طور پر اسلام میں سے ایک صاحب نے کراچی سے ہمیں لکھا کہ جماعت اسلامی کے اشاعتی ادارہ، اسلامک پبلیکیشنز لیٹریز نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے۔

مکتبات حضرت علی رضا

انہوں نے اس میں سے کچھ اقتباسات نقل کر کے مجھے۔ بہرچند ہمارے یہ مکتب نگار قابلِ غمہ مچنے لیکن وہ اقتباسات ایسے تحریر نگیرتے کہ ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم اس کتاب کو خود دیکھ لیں۔ چنانچہ اس کا ستمبر ۱۹۷۴ء کا امیریشن ہمارے سامنے ہے۔ کتاب کے مرتب ہیں، حکیم نبی احمد خاں، رام پوری۔ اس میں انہوں نے (لبقول ان کے) حضرت علی رضا کے ایسے خطوط جمع کئے ہیں جو آپ (حضرت علی رضا) نے اپنے ہم عصر، صحابہؓ کے نام لکھے تھے۔ یہ مکتبات اصل عربی اور ان کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں۔ تاریخ مطباقی ہے کہ حضرت علی رضا کے نام خلافت میں، امت دو گروہوں میں بٹ گئی تھی جو ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ایک گروہ کے سربراہ حضرت علی رضا تھے اور دوسرے کے حضرت علی رضا۔ ظاہر ہے کہ ان دو گروہوں میں جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے۔ حضرت علی رضا نے یہ خطوط ان صحابہؓ کو کچھ لختے ہو ان کے خلاف گروہ میں شامل تھے۔ ان میں جو انداز اختیار کیا گیا اور جو زبان استعمال کی گئی ہے، اگر آپ مخاطبی دیر کے لئے آنھیں بند کر کے سوچیں تو آپ کو ایسا محسوس ہو گا جیسے ہمارے

طاس تاریخ سے متعلق ہمارے خجالات قارئین کو معلوم ہیں: ہم اسے قطعاً قابلِ اعتماد تصور نہیں کرتے۔ (طور پر اسلام)

گھس کر بے دریغ خود توں کی عصمت دری کی اور (حافظ ابن کثیر کے قول کے مطابق) کہا جانا ہے کہ) ان دنوں میں ایک ہزار خود تین نذان سے حاملہ ہوئیں۔ (ص ۱۵)

میزید کی فرج کے "دحشیوں" کو چھوڑ دیتے۔ مدینہ طیبہ کی آبادی کو لیجئے۔ یہ (میہنہ) واقعہ رسول اللہ کی دفاتر سے صرف پچاس سال بعد کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت، یہ آبادی صحابہ کبار اور تابعین ہر شتمل تھی۔ اور ان میں خود تین بھی شامل تھیں اور مرد بھی۔ یہ خواتین تین دن تک نذان سے حاملہ ہوتی رہیں اور ان کے مرد (صحابہ کرام اور تابعین) خاموش بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ (استغفار اللہ، ہزار بار استغفار اللہ)

یہ ہے جو کچھ اس شخص (خلافت و ملوکیت کے مؤلف) نے صحابہ کبار کے متعلق لکھا ہے۔ آپ سوچئے کہ کیا اسلام اور حضور رسالت کا کوئی ہر تین، چھترسلم، خلافت، اس سے زیادہ کچھ اور مکھ سکتا تھا! اور اس کے بعد آپ انور فرمائیے کہ جس درخت کے پھل (بقول مودودی صاحب) ایسے ہوں، اس کے متعلق دنیا کیا تصور فہریں میں قائم کرسے گی۔

اب آئیے اس واقعہ کی طرف جس تک پہنچنے کے لئے ہم نے یہ قدر سے طویل (اور نہایت جگر باش) سفر ہے کیا ہے۔ کچھ دنوں کی بات ہے، قارئین طابعہ اسلام میں سے ایک صاحب نے کراچی سے ہمیں لکھا کہ جماعت اسلامی کے اشاعتی ادارہ، اسلامک پبلیکیشنز میڈیا نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے۔

مکتبات حضرت علیؓ

انہوں نے اس میں سے کچھ اقتباسات نقل کر کے پہنچے۔ ہر چند ہمارے یہ مکتب نگار قابلِ غمہ مخفی تھیں وہ اقتباسات ایسے تحریر انگلیز تھے کہ ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم اس کتاب کو خود بخوبی لیں۔ چنانچہ اس کا ستمبر ۱۹۷۳ء کا اطیروں ہمارے سامنے ہے۔ کتاب کے مرتب ہیں، حکیم نبی احمد خال، رام پوری۔ اس میں انہوں نے (بقول ان کے) حضرت علیؓ کے خطوط جمع کئے ہیں جو آپ (حضرت علیؓ) نے اپنے ہم عصر، صحابہؓ کے نام لکھے تھے۔ یہ مکتبات اصل عربی اور ان کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں۔ تاریخ مطباقی ہے کہ حضرت علیؓ کے نام خلافت میں، امت دو گروہوں میں بٹ گئی تھی جو ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ایک گروہ کے سربراہ حضرت علیؓ تھے اور دوسرے کے حضرت معاویہ۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں گروہوں میں جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے۔ حضرت علیؓ نے یہ خطوط ان صحابہؓ کو لکھے تھے جو ان کے مخالف گروہ میں شامل تھے۔ ان میں جو انداز اختیار کیا گیا اور جو زبان استعمال کی گئی ہے، اگر آپ معموری دیر کے لئے آنکھیں بند کر کے سوچیں تو آپ کو ایسا محسوس ہو گا جیسے ہمارے

طابعہ تاریخ سے متعلق ہمارے نہایات قارئین کو معلوم ہیں۔ ہم اسے قطعاً قابلِ اعتماد تصور نہیں کرتے۔ (طابعہ اسلام)

زمانہ کی دو، سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف مصروف طعن آئیزی اور مشغول دشناام طرزی ہیں! جو شخص بھی (خالی الذہن ہو کر) ان خطوط کو پڑھے گا، اس کے دل میں فطری طور پر یہ خیال اپنہ رکھے گا کہ کیا بھی بھی وہ تعلیم ہو رسول اللہ نے انہیں وہی بھی اور اس قسم کے لئے وہ انسان جن کی تعبیر، ترمیت بھی نہیں کی جسکے بعد، آپ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھیے کہ مکتوب نہ کار حضرت علی زندہ کو بتایا جاتا ہے جن کی بیچی سے لے کر آخر تک، تعلیم و ترمیت، آخوند رسالت اور خانہ نبودی میں ہوئی اور جنہیں حضور نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا کے اذواجی رشتہ کے لئے منتخب فرمایا۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ حضرت علی زم (اپنے ان مبینہ خطوط میں) اپنے مخالف، حضرت معاویہ کو کون الفاظ سے یاد فرماتے ہیں۔ حضرت معاویہ کے علو مرقبت کے متعلق ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ فتح کمر سے پہلے کے مسلمان، اس لئے خدا کی ان نوازشات کے مستحق، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ پھر حضورؐ کے کامب وحی، جو اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ حضورؐ کو ان پر کس قدر اعتماد تھا۔ آپ اپنے دوسری خلافت میں امام حسینؑ اور امام حسینؑ کو گران قدر عطايات دیا کرتے تھے۔ ان کے متعلق ان مکتوبات میں اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں:-

(۱) ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ خط و کتابت میں جب مسلمانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے تو "اسلام علیکم" لکھا جاتا ہے اور جب مخاطب غیر مسلم ہو "سلام علی من اتبع الهدی" لکھتے ہیں۔ حضرت علی زم اپنے کتب (صل) کا آغاز "سلام علی من اتبع الهدی" سے کرتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے فرمان مقابل (حضرت معاویہؓ) کو مسلمانوں کے زمرہ میں بھی شمار نہیں کرتے۔ خط میں لکھتے ہیں:-

اگر تم نے (میری ہدایت پر) عمل نہ کیا تو میں تمہیں چھپتی کا دو وہ دلا دوں گا،
تم بالکل ہے سرسے میں گئے ہو، تم پر شیطان نے قبضہ کر لیا ہے اور وہی تمہاری
رکوں میں خون کے بھائے دوڑ رہا ہے۔ (صل)

(۲) حضرت عمر بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ کے ساقی تھے۔ حضرت علی زندہ کے متعلق کیا الفاظ استعمال کرتے ہیں، اسے تو مختلف عنوان میں بتایا جائے گا۔ حضرت معاویہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوتے لکھتے ہیں:-

تم نے اپنی مردت ایسے فاسق کے لئے ترک کر دی جس کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔
..... اس نے تم سے تمہارا دین اور امانت، دنیا اور آخرت، سب کچھ چھین لیا۔....
پس تم اس بھروسے کی طرح ہو جو رات کے انہیں اور وہن کی روشنی میں شیر کے

نماز کی دو، سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف مصروف طعن آمیزی اور مشغول دشناں طرزی ہیں! جو شخص بھی (خالی الذہبی ہو کر) ان خطوط کو پڑھے گا، اس کے دل میں فطری طور پر یہ خیال اُپھرے گا کہ کیا بھی بھتی وہ تعلیم جو رسول اللہ نے انہیں دی تھی اور اس قسم کے لئے وہ انسان جن کی تعمیر، تربیت، تہذیب کی تھی؟ اس سوال کے بعد، آپ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھیئے کہ مکتوب نہ کار، حضرت علی رضا کو بتایا جاتا ہے جن کی، پچھوئی سے لے کر آخر تک، تعلیم و تربیت، آغاز رسالت اور خانہ، نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا کے اذواجی رشته کے لئے منتخب فرمایا۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ حضرت علی رضا (اپنے ان مبتینہ خطوط میں) اپنے مخالف، حضرت معاویہ کو کن الفاظ سے یاد فرماتے ہیں — حضرت معاویہؓ کے علو مرقبت کے متعلق ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ فتح کلمہ سے پہلے کے مسلمان، اس لئے خدا کی ان نوازشات کے منحصر، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ پھر حضورؐ کے کامبڑ وحی، جو اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ حضورؐ کو ان پر کس قدر اعتماد تھا۔ آپ اپنے دور خلافت میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو گران قدر عطايات دیا کرتے تھے۔ ان کے متعلق ان مکتوبات میں اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں و—

(۱) ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ خط و کتابت میں جب مسلمانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے تو "اسلام علیکم" لکھا جاتا ہے اور جب مخاطب غیر مسلم ہوں تو "سلام" علی من اتباع الہدیٰ" لکھتے ہیں۔ حضرت علی رضا پنے کتب (صل) کا آغاز "سلام علی من اتباع الہدیٰ" سے کرتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے فرمان مقابل (حضرت معاویہؓ) کو مسلمانوں کے زمرہ میں بھی شمار نہیں کرتے — خط میں لکھتے ہیں :-

اگر تم نے (میری ہدایت پر) عمل نہ کیا تو میں تمہیں جھپٹی کا دودھ یاد دلا دوں گا، تم بالکل ہے سرسے میں گئے ہو، تم پر شیطان نے قبضہ کر لیا ہے اور وہی تمہاری گوں میں خون کے بھائے دوڑ لے ہے۔ (صل)

(۲) حضرت عمر بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ کے ساقی تھے۔ حضرت علی رضا خود ان کے متعلق کیا الفاظ استعمال کرتے ہیں، اسے تو مختلف عنوان میں بتایا جائے گا۔ حضرت معاویہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوتے لکھتے ہیں:-

تم نے اپنی مردت ایسے فاسق کے لئے ترک کر دی جس کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔ اس نے تم سے تمہارا دین اور امانت، دنیا اور آخرت، سب کچھ جھیں لیا۔ پس تم اس بھیڑی کی طرح ہو جو راست کے انه ہیرے اور وہن کی روشنی میں شیر کے

تیجے لگا۔ اس کے جھوٹے، بچے کھپے اور اس کے شکار کے اوچھے کی تلاش میں رہتا ہے..... اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر، اور جگہ خوار مان (بندہ) کے بیٹے (حقیقت معاویہ) پر قابو دے دیا تو میں تم دوڑنی کو قریش کے ان ظالموں سے ملا دوں گا، جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے زملے میں بلاک فراہم۔ اور اگر تم میرے فیضے میں نہ آئے اور میرے بعد باقی رہے تو تہییں اللہ تعالیٰ سمجھے سے گا۔ اور اس کا انعام دعذاب کافی ہے۔ (ص ۱۱۱۔ ص ۱۱۲)

(۳۰) — اسے معاویہ! تم اپنے نفس کے منتقل خدا سے ڈرو اور شیطان کی قیادت میں سے اپنے آپ کو نکال لو۔ (ص ۱۴۹)

(۳۱) — دیکھو! بخادت اور جھوٹ انسان کو دین اور دنیا دنوں میں ذلیل، اور عیتگزگر کے سامنے اس کی خواہیں تباہ کر دیتے ہیں..... تم مجھے قرآن کی طرف بل رہتے ہو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم اپنے قرآن چوہ، نہ اس کا فیصلہ قبہ لا مقصود ہے۔ (ص ۱۹۷۔ ص ۱۹۸)

(۳۲) — عمر بن ابوبکر رضی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں۔
یہی نے فاجر ایں فاجر معاویہ، اور فاجر ایں فاجر عمر کے خطوط پڑھ لئے۔
دلوں عملِ محصیت میں باہم منق..... رشوت دینے والے اور دنیا (بھر)
میں ناپسندیدہ ہیں۔ (ص ۱۵۲)

(۳۳) — اپنے ساختیوں (الی شیعیت) کے نام ایک طویل مراسمہ میں رقمطران ہیں:-
تم لوگ اپنی ناقصی اور بے علی کے باوجود ان لوگوں سے کہیں بہتر اور ہدایت فتنہ
ہو۔ تم میں حکماء، علماء، فقیہاء، حفاظاء، تہذیبگزار، عابد، ذاہد، نمازی اور قرآن
خواں ہیں۔ کہا تمہیں یہ امر ناگوار نہیں گزتا کہ تم میں کے یہ احمق، رذیل اور شریء
تم سے حکومت چھیننا چاہتے ہیں۔ (ص ۲۶۵)

اللہ کے بندوں! دیکھو، شیطان کے ساختیوں، لاچیوں اور جفا شعاریں کی
اپنی بہلکت، مگر اسی اور باطل پستی میں کوشش، پاکیاز، حق پرست، ارادات شعار
و گروں کی ایاعتِ الہی اور پیر خواہی امام کی جدوجہد سے اولیٰ خوبیں ہو سکتی.....
میرے دل کو کڑھن اور دکھن تو اس بات پر ہے کہ اس امت، پر اچھتی اور بد اعمال
حادثہ میں اور اللہ کا مال دست، بدست ہیں۔ اللہ کے بندوں کو فلام بنائیں۔
نیک کاروں سے لٹکیں اور بد کاروں سے لٹک جڑ کریں۔ (ص ۱۲۲)

حضرت ابو موسیٰ سے اشعریٰ کے نام اب بند پایہ، جلیل القدر، صحابی۔ آپ الساختیوں، ایشور،

تینچھے لگا۔ اس کے جھوٹے، تینچھے کچھے اور اس کے شکار کے اوچھے کی تلاش میں رہتا ہے..... اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر، اور جگر خوار مال (بندہ) کے بیٹے (حقیقت معاویہ) ہے تو اسے دیا تو میں تم دونوں کو قریش کے ان ظالموں سے ملا دوں گا، جن کوہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے زملے میں بلک فرما۔ اور اگر تم میرے قبیلے میں نہ آئے اور میرے بعد باقی رہے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سمجھے نہ گا۔ اور اس کا انعام و عذاب کافی ہے۔ (ص ۱۱۱۔ ص ۱۱۲)

(۲۰) — اسے معاویہ! تم اپنے نفس کے منعطف خدا سے ڈرو اور شیطان کی قیادت میں سے اپنے آپ کو نکال لو۔ (ص ۱۹۴)

(۲۱) — دیکھو! بغاوت اور جھوٹ انسان کو دین اور دنیا دونوں میں ذلیل، اور عیتگر کے سامنے اس کی خرابیاں لھا پر کر دیتے ہیں..... تم مجھے قرآن کی طرف بلا رہے ہو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ نہ تم اہل قرآن ہو، نہ اس کا فیصلہ تمہارا مقصود ہے۔ (ص ۱۹۵۔ ص ۱۹۶)

(۲۲) محدث بن ابی بکر رضا کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:-
میں نے ناجد ابن فاجر معاویہ، اور ناجد ابن فاجر عمر کے خطوط پڑھ لئے۔
دوں عملِ محضیت میں باہم متعدد..... رشوت دینے والے اور دنیا (بھر) میں ناپسندیدہ ہیں۔ (ص ۲۱۵)

(۲۳) اپنے ساختیوں (اللی بیشیعتہ) کے نام ایک طویل مراسلہ میں لفظ طراز ہیں:-
تم لوگ اپنی ناتفاقی اور بے علی کے ہا وجود ان لوگوں سے کہیں ہتر اور بڑیت پختہ ہو۔ تم میں حکماء، علماء، فقیحاء، حفاظ، تہجیدگزار، عابد، ذاہد، نمازی اور قرآن خوار ہیں۔ کہا تمہیں یہ امر ناگوار نہیں گزتا کہ تم میں کے یہ احمد، رذیل اور شریعت میں سے حکومت چھپیتا چاہتے ہیں۔ (ص ۲۴۵)

اللہ کے بندو! دیکھو، شیطان کے ساختیوں، الایجیوں اور جفا شعاروں کی اپنی بلکت، مگر ابھی اور باطل پستی میں کوشش، پاکیاز، حق پرست، احاطت، شعار، نوگوں کی اطاعتِ الہی اور خیر خواہی الامم کی جدوجہد سے اولیٰ نہیں مدد سکتی..... میرے دل کو کھوں اور دکھ تو اس بات پر ہے کہ اس امت، پر احمد اور بدائعماں حاکم جعل اور اللہ کا مال دست، بدست لیں۔ اللہ کے بندوں کو فلام بنائیں۔ نیکو کا دل سے نظریں اور بدائعماں سے گھٹ جڑ کریں۔ (ص ۱۷۱)

حضرت ابو عرب سے اشتریؑ کے نام [میں سے ہیں۔ کم میں اسلام رہتے اور پھر بھروسہ، عیش کی] ہے:-

فرماتی۔ چھر مذہبیہ کی طرف بھرت کی۔ حضورؐ نے انہیں میں کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ جنگ صفين میں جب یہوں کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت علی رضا نے انہیں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علی رضا نے انہیں گورنری سے بدلیں الفاظ مبلغی کا حکم۔ اور فرمایا کہ ”تم بذلت دخواری ہماری حکومت سے علیحدہ ہو جاؤ۔“ (ص ۱۱)

اور اپنے خط میں لکھا گہا۔

نم وہ شخص ہو جسے خواہش نفس نے گراہ کر دیا ہے اور جس پر دعو کا تابد پا پہنچا ہے۔
(ص ۱۴۹)

حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق

(اسی کتاب میں حضرت طلحہؓ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے)۔

سابقین اقلیم اور حشرہ مبشرہ میں تھے۔ جنگ احمد میں حضورؐ جب کفار کے رشی میں آگئے تو حضرت طلحہؓ نے ہی حضورؐ کی حفاظت فرماتی۔ آپ آنحضرتؐ کی سپر جو تھے۔ تیروں اور نیزدیں کو اپنے اوپر روکتے رہے تا آنکہ آپ اس قدر رنجی ہوئے کہ بہوڑ ہو کر گر پڑے۔ جنگ ختم ہونے پر حضورؐ آپ کہ اپنی پشت سبارگ پر اٹھا کر لائے اور جنتی ہونے کی بشارت دی۔ خود حضرت علی رضا نے انہیں ”شیعہ المهاجرین“ کہا ہے۔ (ص ۱۳۷)

اور حضرت زبیرؓ کا تعارف (اسی کتاب میں) ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

حضرت علی رضا اور حضرت زبیرؓ بامول، بچوپنی زاد، مجاہی تھے۔ آپ کی اہمیہ حضرتؐ حضرت اسماعیل، حضرت ابو بکرؓ کی حاجززادی محققیں۔ آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضرت علی رضا سے مردی سمجھتے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ ”ہر فری کے حواری (رد گاری) بھوتی ہیں۔ میرے حواری طلحہؓ اور زبیرؓ ہیں۔“ (ص ۱۳۸)

ان حضرات (طلحہؓ اور زبیرؓ) کے متعلق حضرت علی رضا، حضرت عماویہؓ کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

(عماویہؓ دیکھو) طلحہؓ اور زبیرؓ نے پہلے تو مدینہ میں میرست بات پر بیعت کی۔ پھر تو طلب دی جائی۔ ان کا یہ فعل ایک طرح کا استداد تھا۔ اس پر ہر طرح کی کوشش کے بعد مجھے ان سے لٹپٹا ہوا جس میں حق ہات ہو کے رہی اور اللہ کا وہ حکم نامہ ہو کے رہا جسے وہ کسی طرح پسند نہیں کرتے تھے۔ (ص ۱۳۹)

ٹیکنی قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص کے مطالعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت علی رضا کا ساقہ دیا تھا۔
(ملکوٹ اسلام)

فرمائی۔ پھر مدینہ کی طرف ریخت کی۔ حضورؐ نے انہیں بیان کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ جنگ صفين میں جب پنجوں کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت علی رضا نے انہیں، اپنا نمائندہ مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علی رضا نے انہیں گورنر سے بدیں الفاظ مبلغہ کی کا حکم۔ اور فرمایا کہ ”تم بذلت دخواری چاری حکومت سے علیحدہ ہو جاؤ۔“ (مشکل)

اور اپنے خط میں لکھا کہ:-

”نم وہ شخص ہو جسے خواہشِ نفس نے گراہ کر دیا ہے اور جس پر دھوکا قابلہ پا چکا ہے۔“ (ص ۱۹۹)

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق

اسی کتاب میں حضرت طلحہؓ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:-
اللَّقِيْنِ اَقْلَمِيْنِ اُوْرَ حُشْرَةً مُبَشِّرَةً مِنْ نَحْنٍ۔ جنگِ اُحد میں حضورؐ جب کفار کے نزدی
میں آگئے تو حضرت طلحہؓ نے ہی حضورؐ کی حفاظت فرمائی۔ آپ آنحضرتؐ کی سپر
میں گئے۔ تیروں اور نیزدیں کو راستے اور روکتے رہے تا آنکہ آپ اس قدر نجی ہوئے
کہ بہبہش ہو کر گھر پڑے۔ جنگِ خشم ہونے پر حضورؐ آپ کہ اپنی پشت مبارک پر
الٹھا کر لائے اور جنتی ہونے کی بشارت دی۔ خود حضرت علی رضا نے انہیں
”شیع المهاجرین“ کہا ہے۔ (مشکل)

اور حضرت زبیرؓ کا تعارف (اسی کتاب میں) ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:-
حضرت علی رضا اور حضرت زبیرؓ بامول، پھوپھی زاد، مجاہی ملتے۔ آپ کی اہمیت محترمة
حضرت اسماعیل، حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی محققین۔ آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے
ملتے۔ حضرت علی رضا سے مردی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ ”ہر نبی کے حواری (ردِ گانہ)
ہوتے ہیں۔ میرے حواری طلحہؓ اور زبیرؓ ہیں۔“ (مشکل)

ان حضرات (طلحہؓ اور زبیرؓ) کے متعلق حضرت علی رضا، حضرت معاذ پیرزادہ کے نام اپنے مکتب میں
تحریر فرماتے ہیں:-

”معاذیہ دیکھو!“ طلحہؓ اور زبیرؓ نے پہلے تو مدینہ میں میرست ہاتھ پر بیعت کی۔
پھر قبولی ہوتے۔ ان کا یہ فعل ایک طرح کا ارتداء تھا۔ اس پر ہر طرح کی کوشش
کے بعد مجھے ان سے لڑنا پڑا۔ جس میں حق ہات ہو کے رہی اور اللہ کا وہ
حکم نافذ ہو کے رہا جسے وہ کسی طرح پسند نہیں کرتے تھے۔ (مشکل)

فاتح مصر، حضرت عمر بن العاصؓ کے متعلق

مکتب عنہ میں لکھا ہے:-

بندہ خدا، علی رضا، امیر المؤمنین کی طرف سے، نسل بردیدہ، عمر و ابن العاص، ابن واصل کے نام جو جانبیت اور اسلام دونوں میں محمدؐ اور آپ کے خاندان کا دشمن رہا..... قم نے اپنی مردوں ایسے ناسخ کے لئے ترک کر دی، جس کا پروہ فاکش ہو چکا ہے۔ جو اپنی مجلس میں عزت دار پر عیب لگانا ہے اور اپنی محبت میں برد باد کو بے وقوف کہتا ہے..... اس نے تمہارا دین و امانت، دنیا و آخرت سب کچھ چھین لیا ہے۔ پس تم اس مجھیڑیٹے کی طرح ہو جو رات کے اندر ہیرے اور دن کی روشنی میں شیر کے پیچے لگا، اس کے جھوٹے پیچے کچھ، اور اس کے شکار کے اوچھر کی تلاش میں رہتا ہے۔ (ملتا)

حضرت علی رضا نے محمد بن ابی بکر را کے نام اپنے خط میں لکھا ہے:-
میں نے خابر ابن ناجر (معاودیہ) اور تاجر ابن کافر عمر کے خطوط پڑھ لئے۔ دونوں عمل مصائب میں ہاہم متعدد، مکرمت میں ایک دوسرے کے موافق۔ رشوت دینے والے اور دنیا بھر میں ناپسندیدہ ہیں۔ (ص ۲۱۵)

آپ نے اپنے ساخیوں کے نام مراسدہ میں لکھا:-
(یہ لوگ) دین سے منور، رشوت خور اور دنیا کے بندے ہیں۔ مجھے خبر مل گی ہے کہ بذام ماں کے پیشے (عمر و ابن العاصؓ) نے معاودیہ کی بیعت اس وقت تک نہیں کی، جب تک اس نے اتنی بڑی رشوت لینے کی شرط نہ کر لی جو اس کی پوری سلطنت (مصر) سے زیادہ ہے۔ اُس دین کو دنیا کے عوام فروخت کرنے والے کے باقاعدہ خالی رہ جائیں، اور لوگوں کی دولت سے ایک دغاہاز ناسخ کی حیثیت خریدنے والے کے باقاعدہ خالک میں مل جائیں..... یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر قم پر حاکم میں گئے تو قم پر عصہ نکالیں گے، فخر کریں گے، حاکمانہ حکومت کریں گے۔ عضیب کرنے میں دست درازی دکھائیں گے اور ملک میں نعمت و فضاد پھیلایں گے۔ نیز خواہشات نفسانی کے پیچے چلیں گے اور کبھی صحیح طیبے نہیں کریں گے۔ (ص ۲۶۳-۲۶۵)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے متعلق

اس کتاب میں آپ کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے:-

جلیل القدر صالحؓ احمد رسلانؓ اللہ کے چپزادوں مجاہی تھے۔ مکے میں پیدا ہوئے اور آخر

فاسخ مصہر، حضرت عمر و بن العاصؓ کے متعلق

مکتب علی میں لکھا ہے:-

بندہ خدا، علی رضا، امیر المؤمنین کی طرف سے، فضل بہیدہ، ابن نسل بہیدہ، عمر و ابن العاص، ابن واٹل کے نام محب جاہلیت اور اسلام دونوں میں ٹھہرا اور آپ کے خاندان کا دشمن رہا..... نعم نے اپنی مردوں ایسے ناسی کے لئے ترک کر دی، جس کا پروہ فاکش ہو چکا ہے۔ جو اپنی مجلس ہیں عزت دار ہر عیب لگاتا ہے اور اپنی محبت میں بردبار کو بے وقوف کرتا ہے..... اس نے تمہارا دین و امانت دنیا د آخرت سب کچھ چھین لیا ہے۔ پس تم اس مجھیڑی کی طرح ہو جو رات کے اندر ہیرے اور دن کی روشنی میں شیر کے پیچے لگا، اس کے جھوٹے پچے کچے، اور اس کے شکار کے اوچہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ (ص ۱۱)

حضرت علی رضا نے محمد بن الی بکر وٹا کے نام اپنے خط میں لکھا ہے
میں نے فاجر ابن ناجر (معادیہ) اور فاجر ابن کافر عمر کے خطوط پڑھ لئے۔ دونوں عمل معصیت میں باہم متحد، حکومت میں ایک دوسرے کے موافق۔ رشوت دینے والے اور دنیا بھر میں ناپسندیدہ ہیں۔ (ص ۱۵۱)

آپ نے اپنے ساخیوں کے نام مراسلہ میں لکھا:-

(یہ لوگ) دین سے منصرف، رشوت خور اور دنیا کے بندے ہیں۔ مجھے خبر مل ہے کہ بذام ماں کے پیٹے (بکر و بن العاص) نے معادیہ کی بیعت اس وقت تک نہیں کی، جب تک اس نے اتنی ٹری رشوت لینے کی شرط نہ کر لی جو اس کی پوری سلطنت (مصر) سے لیادہ ہے۔ اُس دین کو دنیا کے عوام فروخت کرنے والے کے ہاتھ خالی ہو جائیں، اور لوگوں کی دولت سے ایک دشمن ناسق کی حمایت خریدنے والے کے ہاتھ خالک ہیں مل جائیں..... یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر تم پر حاکم میں گئے تو تم پر عصہ نکالیں گے، فخر کریں گے، حاکمانہ حکومت کریں گے۔ عضو کرنے میں دست درازی دکھائیں گے اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلائیں گے۔ نیز خواہشاتِ نفسی کے پیچے چلیں گے اور کبھی صحیح فیصلے نہیں کریں گے۔ (ص ۲۰۳-۲۰۴)

حضرت عبد اللہ بن حبیبؓ کے متعلق

اس کتاب میں آپ کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے:-

جلیل القدر صاحبی اہر رسول اللہ کے چنان زاد بھائی تھے۔ مکے میں پیدا ہوئے اور آخر

سکھ صوبت شہری سے مشرف رہے۔ مفسر قرآن اور راویٰ حدیث لفظ۔ حضرت علیؓ
کے ساتھ چنگی جمل اور جنگی صفتیں ہیں متریک رہے۔
حضرت علیؓ نے آپ کے نام اپنے خط میں لکھا۔

میں نے تمہیں اس لئے امانت (حکومت) میں شریک کیا تھا اور اپنا پہدم و ہمارا
پناہی تھا کہ میری نظر میں، میرے خاندان میں، تم سے زیادہ باوقوع کوئی دوسرا شخص
نہیں تھا۔ لیکن تم نے جب دیکھا کہ تمہارے اہن سم پر زبان سخنیاں کر رہے ہیں۔
اور دشمن بوسر پیکار ہے، تو تم نے بھی اس کی حالت سے منہ موڑ لیا اور دوسرے
چھوٹے والوں کی طرح تم نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ اور دیگر لوگوں کی طرح اس کی
مدونہ کی۔ امانت کے جس مال پر تمہارا بس چلا، اسے تم نے اچک لیا، جیسے
تیرز رفارم ہجتی یا زخمی بکری کو اڑا لئے جاتا ہے۔ دیکھو ذرا مٹھرو (ادرس سوچ) گواہ
تم اپنی عمر بھری کر جکے ہو، اور تمہارے اعمال تمہارے سامنے ایسی جگہ پہیش
کئے جا رہے ہیں جہاں مفروضہ حضرت سے چینتا ہے اور حقیقی مذائق کرنے والاتر
کی اور خالق دنیا میں (تکالیف مانعات کے لئے) والپس آئنے کی آنکھ کرتا ہے۔ حالانکہ
حاشیے فرار مسدود ہو گئی۔ (تو اُس وقت تم کیا کرو گے) (ص ۲۹۱-۲۹۳)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

مجھے تمہاری ایک بات معلوم ہوئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے (کہ تم بہت المال کا کچھ حصہ
اپنے صرف میں سے آئئے ہو) تو تم نے اپنے پروردگار کو غائب ناک کیا۔ اپنے امام
کی نافرمانی کی، اپنی امانتداری کو ذلیل کیا اور مسلمانوں کی خیانت کی۔ مجھے پہنچ
چلا ہے کہ تم نے ذمیں کو دریان کر دیا۔ جو تمہارے قبضہ میں تھا وہ ہمچیا لیا
اور جو تمہارے ہاتھ میں تھا وہ ہضم کر بیٹھ۔ (ص ۲۹۵)

اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا،
آپ کو جو خبر ملی ہے، سراسر غلط ہے۔ میرے قبضے میں جو مال آیا ہے، وہ
بچانسہ موجود ہے۔ اور میں اس کی حفاظت کرتا ہوں۔ (ص ۲۹۶) میں نے
بہت المال سے جتنا مال لیا ہے، اس سے زیادہ میرا حصہ اس میں تھا۔ (ص ۲۹۹)

یہ تو رہیں وہ باتیں ہیں (ان خطوط کے مطابق) حضرت علیؓ نے دوسرے صحابہؓ کے متعلق ارشاد
فرمائیں۔ لیکن ان میں بعض ایسی باتیں بھی ہیں جنہیں آپ نے خود اپنے متعلق کہا، اور جو (بھارے
نر دیک) آپ کے علومِ تدبیت کے ہرگز شایاں ہیں (اس لئے وضیع ہیں) قرآنی کریم نے حسب و
نسب پر خزر کے جذبہ و احساس کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور اس کی جگہ ذاتی جسیر اور بلندی کی سیرت

تک صحبت شہوی سے مشرت رہے۔ مفسر قرآن اور راویٰ حدیث لفظ۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل اور جنگ صفين میں مژکر رہے۔

حضرت علیؓ نے آپ کے نام اپنے خط میں لکھا:-

میں نے تمہیں اس لئے امانت (حکومت) میں مشریک کیا تھا اور اپنا ہمدرد و ہمراز بنایا تھا کہ میری لنظر میں، میرے خاندان میں، تم سے زیادہ باہر اوق کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ لیکن تم نے جب دیکھا کہ تمہارے ان علم پر زمانہ سختیاں کر رہے ہیں، اور دشمن بدر سر پیکار رہے، تو تم نے بھی اس کی حادث سے منہ مدد لیا اور دوسرے چھوڑنے والوں کی طرح تم نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ اور دیگر لوگوں کی طرح اس کی مدد نہ کی۔ امانت کے جس مال پر تمہارا بس چلا، اسے تم نے اچک لیا، جیسے تیز رفتار بھیڑ یا زخمی بکری کو اٹھا لئے جاتا ہے۔ دیکھو ذرا مٹھرو (ادر سوچ) کیا تم اپنی عمر بھری کر چکے ہو، اور تمہارے اعمال تمہارے سامنے ایسی جگہ پیش کئے جا رہے ہیں جہاں مفرد حضرت سے چینتا ہے اور حقیق مانع کرنے والاتر کی اور ظالم دنیا میں (تکلفی مافیات کے لئے) واپس آنے کی آرزو کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے فرار مسدود ہو گئی۔ (تو اس وقت تم کیا کرو گے) (صفت ۲۹۱-۲۹۳)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

مجھے تمہاری ایک بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے (کہ تم بیت المال کا کچھ حصہ اپنے صرف میں سے آئئے ہو) تو تم نے اپنے پردہگار کو غائب ناک کیا۔ اپنے امام کی نافرمانی کی، اپنی امانتداری کو ذلیل کیا اور مسلمانوں کی خیانت کی۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے زین کو دیکھ کر دیا۔ جو تمہارے قبضہ میں تھا وہ ہمچیا لیا اور سجد تمہارے ہاتھ میں لقاوہ ہفتم کر دیا۔ (صفت ۲۹۵)

اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا،

آپ کو جو خبر ملی ہے، صراحت غلط ہے۔ میرے قبضے میں جو مال آیا ہے، وہ بخوبی موجود ہے۔ اور میں اس کی حفاظت کرتا ہوں۔ (صفت ۲۹۷) میں نے بیت المال سے جتنا مال لیا ہے، اس سے زیادہ میرا حصہ اس میں تھا۔ (صفت ۲۹۹)

(ب)

یہ تو رہیں وہ باتیں ہوں (ان خطوط کے مطابق) حضرت علیؓ نے دوسرے صحابہؓ کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ لیکن ان میں بعض ایسی باتیں بھی ہیں جنہیں آپ نے خود اپنے متعلق کہا، اور ہو (ہمارے نزدیک) آپ کے علومِ تثبت کے پر گز شایاں ہیں (اس لئے وضعي ہیں) قرآن کریم نے حسب و شب پر فخر کے جذبہ و احساس کی جڑ کاٹ کر کھو دی اور اس کی جگہ ذاتی جو ہر اور بلندی سیرت

کردار (القویون) کو معیار تحریم قرار دیا۔ حضور نبی اکرم نے بھی ساری عمر اس کی تلقین و تاکید فرمائی، اور خود بھی اس پر عمل کر کے لکھا دیا۔ لیکن ان خطوط میں کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے، حضرت معاویہؓ نے کہا کہ:-

یا تمہارا یہ کہنا کہ ہم دونوں علمبر مناف کی اولاد ہیں تو ہم تم اپنے ہی ہیں۔
لیکن اُمیہ، باششم کے، حرب، ہب المطہب کے اور ابوسفیان، ابووالب کے
برابر نہ لگتے..... بلکہ ہم تو بیویت کا شرف بھی شامل ہے۔ جس کے لئے
ہم نے بڑے پڑے ہر دار (کافر) کو قتل کیا اور آزاد (کافر) لوگوں کو غلام بنا
کر فروخت کر دala۔ (ص ۱۷۷-۱۷۸)

وہ سبے مقام پر ہے:-

رسی میری فتنہ دار اسلام، قراہت رسول اور شرافت قریش، تو اپنی حادث کی قسم
اگر تم میں اسے بھی مٹا دیں گے کی طاقت، ہوتی تو اسے بھی بھی کے ملے پہنچ
ہو سکتے۔ (ص ۱۷۸)

اینہ حقیقت کے سلسلہ میں اپنے سماحتیوں کے نام اپنے مارسیہ میں لکھا ہے
جب آپ اس داریانی سے کشیریت لے گئے تو امارت و خلافت کے سلسلے میں
مسلمانوں میں جگہ پڑے بلکہ بیرے وہم و کمان میں بھی نہ ملنا کہ عرب اسے مجھ سے ایک سی
دوسری طرف منتقل کر دیں گے۔ اس لئے لوگوں کے الجیکر کی طرف متوجہ ہونے اور
این پر ٹوٹ پڑنے سے مجھے ثابت تعجب ہوا۔ میں نے اپنا ناقہ (بیت اسے) روکے
رکھا۔ (کچھ لکھا) میں نے دیکھا کہ میں سب لوگوں میں سے اس شخص کے مقابلے میں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا زیادہ حقدار ہوں جو مجھ پر حاکم مقرر ہوا ہے۔
لہذا جب تک اللہ نے چاہا میں اس پر قائم رہا۔ (میں نے بیعت نہیں کی) لیکن
جب مجھے محسوس ہوا کہ بہت نہ رُگ دین سے پھر گئے اور دینِ محمدی و تمسی
ابراہیمی عکوٹ میا دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں، تو مجھے خوف پیدا ہوا کہ اب، بھی
میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد و نہ کی تو دین میں رحلتے اور شکست دریافت
ویکھنا ہو گی اور وہ مصیبت میرے لئے اس حکومت کے نہیں سے کہاں زیادہ
ہوگی، جو ایک تکلیف دلت کے سروائے کی حیثیت رکھتی ہے اور سرائب ای طرز ایک
دن نائل سہ جانے والی ہے۔ لہذا میں اللہ کھڑا ہوا اور فرما جا کے الجیکر کی بیعت
کپلی اور ان کے عوام بدوسی ان حادثات میں کام شروع کر دیا، یہاں تک کہ باطل
نیست و نابود اور کفار کے عی الرعیم کلمہ الہی بلند ہو گیا۔ (ص ۴۵۹)

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے سلسلہ میں لکھا کہ جب لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تو مهر۔

کردار (تقویٰ) کو معیارِ تکریم قرار دیا۔ حضورؐ نبی اکرم نے بھی ساری عمر اس کی تلقینی و تاکید فرمائی، اور خود بھی اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ لیکن ان خطوط میں کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے، حضرت معاویہؓ نے سے کہا کہ:-

رَبِّ قَوْبَارًا يَهُوكِبُونَ كَمْ دُوْنُونَ طَبَرِ مَنَافَاتِ كَيِ اَوْلَادِ ڈِيِنِ نُوْرِ كَمْ اَيْسَى إِيِنَّ

لَيْكِنْ اُمَّيَّهُ، بَاشِشَمْ سَكَنْ، حَرَبْ، هَبَهُ الظَّبَابَ كَكَهُ اَوْلَادِ الْبَابَ سَكَنْ

بِرَابِرَ نَهَّلَتْ..... لَيْكِنْ بَهُونَ نُوْرِ نِيَّتَ كَاهُ شَرَفْ بَهُونَ حَمَالَتْ هَتَّ، جَرِيَّ سَكَنْ لَيْلَهُ

بَهُونَ نَهَّلَتْ بَهُونَ طَرَفَ دَارَ (کافر) كَوْ قَلَ كَيِ اَوْرَ آزَادَ (کافر) نُوْرِلَ كَوْ غَلامَ بَهُونَ

سَرَ فَرَوْخَتْ كَرَ دَالَّا۔ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

وہ سب سے مقام پر ہے:-

وَهُنَّ مِيرَى فَقِيلَتِ اِسْلَامُ، قَرَابَتِ رَسُولُّ اُوْرَ شَرَافَتِ قَرِيبَشُ، نُوْرِ اِسْنَى جَانَ كَيِ قَسْمُ

اَغْرِيَتِ مِيزَ مِيزَ اَسَّسَ بَهُونَ طَلَاقَتِنَهُ كَيِ طَاقَتِ، هَرَقَيَّ نُوْرِ بَهُونَ سَبَجَيَ كَهُ مَلَّا بَهُونَ

بَهُونَ لَكَيَّ۔ (وَهُنَّ)

اینہے محن خلافت کے سلسلہ میں اپنے سامنے ہوں کے نام اپنے مارسٹر میں لکھا ہے۔

جب آپ اس دارِ ذاتی سے لشیریت لے گئے تو امارت و خلافت کے ساتھ میں

مسئلوں میں جگہ ٹوپی بخدا ہیرے و ہم و گمان میں بھی دلخواہ کر عرب اسے مجھے کے اگر کسی

وہ صری طرف (منتقل کر دیں گے۔ میں نے لوگوں کے ابویکرؓ کی طرف متوجہ ہونے اور

ان پر ٹوپ ٹوپی سے مجھے ٹڑا تھب ہوا۔ میں نے اپنا اتفاق (بیعت سے) روکے

رکھا۔ (کیونکہ) میں نے دیکھا کہ میں سب لوگوں میں سے اس شخص کے مقابلے میں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا زیادہ حقدار ہوں جو مجھے پر حاکم مقرر ہوا ہے۔

لہذا جب تک اللہ نے چاہا میں اس پر غالب رہو۔ (میں نے بیعت نہیں کی) سبیکن

جب مجھے محسوس ہوا کہ بہت تر لوگ دین سے بچ رکھنے اور دینِ محمدی و ملتی

ابراہیمی عکوٹنا دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں، تو مجھے خوف پیدا ہوا کہ اب، بھی

میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدعا نہ کی تو دین میں رکھنے اور شکست دے ریخت

دیکھنا ہوگی اور وہ مصیبت میرے لئے اس حکومت کے نہ ہلنے سے کہیں زیادہ

ہوگی، جو ایک تکلیفِ دین کے سرواشے کی حیثیت رکھتی ہے اور سرائب ای کی طرح ایک

دن زائل سمجھ جانے والی ہے۔ لہذا یہی اللہ کھڑا ہے اور فوراً جا کے ابویکرؓ کی بیعت

کیوں اور ان کے دو شہزادوں اُن عادنات میں کام شروع کر دیا، یہاں تک کہ باطل

نیست و ناپور اور کفار کے علی الرعیمِ کلمہ اللہ بلند ہو گیا۔ (۱۵۹)

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ساتھ میں لکھا کہ جب لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تو مہر:-

حمد سے یہ سے کہ علی رضا آٹا تم بھی عثمانؑ کی بیعت کرو، وہ نہ ہم تم سے جہاد کریں گے۔
ہمدا جسے ادول خواستہ بیعت کرنا پڑی اور حسینؑ اللہ صبر کر لیا۔ ایک صاحب نے
تو مجھ سے یہاں تک کہ دیا کہ فرزندِ ابی طالب، تم خلاف کے پڑے ہو جائیں ہو۔ ہم
 تو اپنے بھائی کی میراث اور اس کا حق طلب کر رہا تھا، تم اس میراث اور میرے
درمیان بلا وجہ حاصل ہو گئے اور مجھے اس کی طرف سے ہٹا رہے ہو۔ اسے خدا کے
تعالیٰ یہی قریش کے مقابلہ میں مجھ سے اعتماد کا خواستگار ہوں! دیکھ! ان
لوگوں نے مجھ سے قلعہِ رحم کر لیا، میرے بندہ مرتبے اور فضیلت کو گھٹا دیا اور میرا
وہ حق مجھ سے چھین لیئے ہیں تھوڑے گئے جس کا یہیں ان سے کہیں زیادہ
حقدار ہوں۔ (۲۶۲-۲۶۳)

یہ ہیں (لمونٹ) ان خطوط کے چند ایک اقتباسات جنہیں یہ کہہ کر شائع کیا گیا ہے کہ انہیں حضرت
علی رضا نے تحریر فرمایا تھا۔ باوقیٰ تعریف یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اس سازش کا ایک حصہ تھا
جس سے (تاہریخ کو منع کر کے) یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس درخت کے برگ دہار اس قسم کے
ہیں، اس درخت کے متعلق اندازہ لکھایا جاسکتا ہے! ہماری تاریخ کا یہی وہ فور ہے (صدر اول یا
دورِ صفاہ کبار) ہے۔ جسے ہم دنیا کے سامنے بصد غزوہ ناز پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ خطوط، اس عدد
کے متعلق جس قسم کا لفظ سامنے لاتے ہیں، اس کی بابت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (جیسا کہ ہم
نے پہلے لکھا ہے) اس سے ایسا نظر آتا ہے گویا ہم خود اپنے زمانے کے میدانِ سیاست میں
کھڑے ہیں، جس میں ایک ہاری، دوسرا ہاری یہ (معاذ اللہ) گند اچھا رہی ہے۔ ان خطوط کی
رُو سے، اگر یہ سچ تسلیم کر دیا جائے کہ جو کچھ حضرت علی رضا نے لکھا تھا، وہ صحیح تھا، تو اس سے اس
قدر جلیل القدر صفاہ کا جو کردار سامنے آتا ہے، ظاہر ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضا کے
عائد کردہ یہ الزامات بے بنیاد نہیں، تو حضرت علی رضا اور آپ کے طرفدار صفاہ کی جو تصویر سامنے آئی
ہے وہ بھی کم تا苏ف انگیز نہیں۔ پھر، خطوط کا جو انداز ہے وہ کبھی حضرت علی رضا جیسے بزرگ کے شاید
شان نہیں ہو سکتا۔ (اس سے خود ان خطوط کے وضیع ہونے کی شہادت ملتی ہے۔)

جماعتِ اسلامی کے اشاعتی ادارہ نے جس مقصد کے لئے ان (سراسر و مصنی) خطوط کو شائع کرنے
کی ضرورت محسوس کی سے، وہ ظاہر ہے۔ یہ خطوط:-

(۱) مودودی صاحب کے پیشی نظر مقصود کی تائید و تقویت کا موجب بنتے ہیں جس کی رو سے وہ دنیا
کی نظروں میں اسلام کو رسوای کرنے کی ہم کا ٹیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کو، ان کی
رسوائے عالم تصنیف — خلافت و ملوکیت — کا نکلنہ سمجھئے۔

(۲) جماعتِ اسلامی کا موتفق ہے کہ معاشروں میں جس قدر صلح، متفق، پرہیزگار، بلند سہرت و کردار کے

مجھ سے ہوئے کہ علی رضا تو تم بھی عثمان کی بیعت کرو، ورنہ ہم تم سے جہاد کریں گے۔ لہذا مجھے نادل خواستہ بیعت کرنا پڑی اور حسینہ اللہ صبر کر لیا۔ ایک صاحب نے تو مخدوسے ہیاں تک کہہ دیا کہ فرزندِ ابی طالب، تم خلاف کے بڑے حریص ہو۔ یہ تو اپنے بھائی کی میراث اور اس کا حق طلب کر رہا تھا، تم اس میراث اور میرے درمیان بلا وجہ حائل ہو گئے اور مجھے اس کی طرف سے ہٹا رہے ہو۔ اسے خدا شے تعالیٰ یہی قریش کے مقابلہ میں مجھ سے اعانت کا خواستگار ہوں! دیکھ! ان لوگوں نے مجھ سے تفعیلِ رحم کر لیا، میرے بند مرتبے اور فضیلت کو گھٹا دیا اور میرا وہ حق مجھ سے چھپن لیئے میں متعدد ہو گئے جس کا یہیں ان سے کہیں زیادہ حقدار ہوں۔

(۲۶۱ - ۲۶۲)

یہ ہیں (المومنہ) ان خطوط کے چند ایک اقتباسات جنہیں یہ کہہ کر شائع کواگیا ہے کہ انہیں حضرت علی رضا نے تحریر فرمایا تھا۔ باوقوفی تحقیق یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اس سازش کا ایک حصہ تھا جس سے (تا ریخ کو مسخر کر کے) یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس درخت کے برگ و ہار اس قسم کے ہوں، اس درخت کے متعلق اندازہ لگایا جاسکتا ہے! ہماری تاریخ کا بھی وہ فورد ہے (صدر اول یا دورِ صحابہ کیا رہا) ہے۔ جسے ہم دنیا کے سامنے بصد مخزو نماز پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ خطوط، اس دوہ کے متعلق جس قسم کا لفظ سامنے لاتے ہیں، اس کی بابت کہہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے) اس سے ایسا نظر آتا ہے گویا ہم خود اپنے زمانے کے میدان سیاست میں کھڑے ہیں، جس میں ایک پارٹی، دوسری پارٹی پر (معاذ اللہ) گند اچھاں رہی ہے۔ ان خطوط کی رو سے، اگر یہ صحیح تسلیم کر دیا جائے کہ جو کچھ حضرت علی رضا نے لکھا تھا، وہ صحیح تھا، تو اس سے اس تدریجی القدر صحابہؓ کا جو کردار سامنے آتا ہے، ظاہر ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضا کے عائد کروہ یہ الزامات بے بنیاد رہتے، تو حضرت علی رضا اور آپ کے طرفدار صحابہؓ کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ بھی کم تا سفت انگیز نہیں۔ میر، خطوط کا جو انداز ہے وہ کبھی حضرت علی رضا جیسے بزرگ کے شاید شان نہیں ہو سکتا۔ (اس سے خود ان خطوط کے وضعی ہونے کی شہادت ملتی ہے۔)

جماعتِ اسلامی کے اشاعتی ادارہ نے جس مقصد کے لئے ان (سراسر و منی) خطوط کو شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے، وہ ظاہر ہے۔ یہ خطوط:-

(۱) مودودی صاحب کے پیشی نظرِ مقدمہ کی تائید و تقویت کا موجب بنتے ہیں جس کی رو سے وہ دنیا کی نظروں میں اسلام کو رسول کرنے کی قیم کا ٹھیک انٹھ کر رہے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کو، ان کی رسول کے عالمِ تصنیف — خلافت و ملوکیت — کا تکملہ سمجھئے۔

(۲) جماعتِ اسلامی کا مؤلف یہ ہے کہ معاشرہ میں جس قدر صلح، متفق، پرمیزگار، بلند سیرت و کردار کے

لماں انسان ہیں، وہ اس جماعت میں شامل ہیں۔ جو اس جماعت سے باہر ہیں، وہ دنیا بھر کی بیٹائیوں، خدا شتوں کے پندے ہیں۔ ان (وہنی) خطوط سے ان کے اس مسلم کی تائید ہوتی ہے، جن میں جعینہ یہی موقوف اختیار کیا گیا ہے۔

(۱) جماعتِ اسلامی کا انداز یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص ان کے ساتھ رہتا ہے، وہ امت کا صالح زریں فرو قرار پاتا ہے۔ اگر وہ (بدقسطی سے) ان سے اختلاف کر کے، الگ ہو جاتا ہے تو اسے سر سے پاؤں تک عیوب و ذمائم کا پیکر بنا دیا جاتا ہے۔ ان (وہنی) خطوط سے ایکی اپنی اس روشن کی بھی تائید حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲) جماعتِ اسلامی کا بنیادی موقوف یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی مشاہد کے مطابق حق حکومت انہی کو حاصل ہے۔ ان کے سوا، ہر پارٹی یا طبقہ کی حکومت ایسی قرار پاتی ہے۔ ان (وہنی) خطوط سے اس جماعت کو اپنے اس مسلم کی بھی تائید ملتی ہے۔

یہ ہیں وہ مقاصد جن کے لئے جماعتِ اسلامی کے اس اعماں نے ان (وہنی) خطوط کو شائع کر لئے کی صرفت سمجھی۔ اس کے لئے "محدث ملاحظہ فرمائیے۔ " عرض نامش" کے تحت کہا گواہ ہے۔

مکتبات کے موضوع، اذان، تحاطب و بیان کے بارے میں مرتب و تاثر کا کوئی تعلق نہیں۔ صحابی، صحابی اس کے مرتبہ و مقام کو اچھی طرح جانتے تھے۔ جناب امیرؐ خود صحابی شیخ اور ان کے مخالف زیادہ تر صحابہ کرام رفیعی تھے۔ وہ ہم سے بہتر سمجھتے تھے کہ کیا انداز اختیار فرمائیں۔ ہمارے پیش نظر صرف اتنی بات ہے کہ جلیل القدر صحابہؓ کے رشادات

حرافی کو اور وہاں طبقہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ (صلت ۵)
یہ "حدیث گناہ" کسی تبعو کا محتاج نہیں۔ اب آئیجے، ان خطوط کے مرتب اور مترجم (حکیم بنی احمد غافل ضمیر)

میں یہ عرض کر دینا بھی نہایت صرفدی سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی اس کاوش میں صرف روایت کو پیش نظر رکھا ہے، درایت سے قطعاً کام نہیں لیا۔ بھیجے معتبر یا غیر معتبر، قدیم یا جدید، جس دریے سے بھی کوئی مکتوب ملا، میں نے اسے ہدیثیق و تعمید

صرف حوالے پر اکتفا کر کے اپنے مجموعے میں شامل کر دیا۔ (صلت ۶)

مرحباً! جزاک اللہ یا بیٹا مبارک کام کیا آپ نے۔ امتحت کو آپ کا سٹک گزار ہی نہیں، احسان مند ہونا چاہیئے کہ آپ نے ایسی جلیل القدر خدمت سرا نہام دی، جو اسلام کے پدر تین مختلف، مستشرقی سے بھی بن نہ پڑی تھی۔ وہ بھی تو اپنی اسی قسم کی "خدماتِ جلیلیہ" کے ضمن میں بھی کیا کرتے ہیں کہ ہم نے جو حوالے پیش کئے ہیں، آپ انہیں چیک کر لیجئے۔ اگر وہ تیسی ہیں تو پھر ہمیں کوئی موروثِ الزام قرار نہیں دے سکتا۔ درایت ہماں کام نہیں۔

لیکن ہم جناب مرتب و مترجم سے صرف ایک بات یوچینے کی احالت حاصلتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ آپ نے

ہلک انسان ہیں، وہ اس جماعت میں شامل ہیں۔ جو اس جماعت سے ہاہر ہیں، وہ دنما مجرک بھائیوں، خانوں کے پندے ہیں۔ ان (وضنی) خطوط سے ان کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے، جن میں بعدینہ بھی موقف اختیار کیا گیا ہے۔

(۲۱) جماعتِ اسلامی کا انداز یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص ان کے ساتھ رہتا ہے، وہ امت کا صالح ترین فروغ قرار پاتا ہے۔ اگر وہ (ردِ قسمتی سے) ان سے اختلاف کر کے، الگ ہو جاتا ہے تو اسے سر سے پاؤں تک عیوب و فحش کا پیکر بنا دیا جاتا ہے۔ ان (وضنی) خطوط سے انہیں اپنی اس روشنی کی بھی تائید حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲۲) جماعتِ اسلامی کا بنیادی موقف یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی مشادر کے مطابق حق حکومت انہی کو حاصل ہے۔ ان کے سوا، ہر پارٹی یا طبقہ کی حکومت ابیسی قرار پاتی ہے۔ ان (وضنی) خطوط سے اس جماعت کو اپنے اس مسلک کی بھی تائید ملتی ہے۔

یہ ہیں وہ مقاصد جن کے لئے جماعتِ اسلامی کے اس ہمارہ نے ان (وضنی) خطوط کو شائع کرنے کی ضرورت بھی۔ اس کے لئے "معنودت ملاحظہ فرمائیے۔ "عرض ناشر" کے تحت کہا گواہ ہے۔ مکذا بت کے موجودہ، اندرونی تخطیب و بیان کے پارسے میں مرتب و ناشر کا کوئی تعلق نہیں۔ صحابی، صحابی اسکے مرتبہ و مقام کو اچھی طرح چانتے تھے۔ جناب امیرؐ خود صحابی شفیع اور ان کے مخالف زیادہ تر صحابہ کرام رضا ہی تھے۔ وہ ہم سے بہتر سمجھتے تھے کہ کیا انداز اختیار فرمائیں۔ ہمارے پیش نظر صرف اتنی بات ہے کہ جلیل القدر صحابہؐ کے رشحات گرامی کو اور دو داں طبیعہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ (ملت ۵)

یہ "عندِ گناہ" کسی تبعو کا محتاج نہیں۔ اب آئیئے، ان خطوط کے مرتب اور مترجم (حکیم نبی احمد خان فضلہ) کی طرف۔ وہ کتاب کے "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں۔

میں یہ عرض کر دینا بھی نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی اس کاوش میں صرف روایت کو پیش نظر رکھا ہے، درایت سے قطعاً کام نہیں لیا۔ مجھے معتبر یا غیر معتبر، قدیم یا جدید، جس ذریعے سے بھی کوئی مکتوب ملا، میں نے اسے جو تحقیق و تنقید صرف حوالے پر التفاکر کے اپنے مجموعے میں شامل کر لیا۔ (ملت ۱۱)

مرحبا! جزاک اللہ! ڈیا ہمارک کام کیا آپ نے۔ امت کو آپ کا ستر کر گزار ہی نہیں، احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ نے ایسی جلیل القدر خدمت سرا نہام دی، جو اسلام کے بدترین مخالف، مستشرقی سے بھی بن نہ پڑتی تھی۔ وہ بھی تو اپنی اسی قسم کی "خدماتِ جلیلہ" کے ضمن میں بھی کیا کرتے ہیں کہ ہم نے جو حوالے پیش کئے ہیں، آپ انہیں چیک کر لیجئے۔ اگر وہ صحیح ہیں تو پھر ہمیں کوئی حورہ الزام قرار نہیں دے سکتا۔ درایت ہمارا کام نہیں۔

لیکن ہم جناب مرتب و مترجم سے صرف ایک بات لیجئے کی احوالت چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ آپ نے

ان خطوط کے سلسلہ میں صدایت کی مزورت نہیں تھی۔ بہت اچھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب علیکم میں ان صحابہؓ کے متعلق ہوشیدت اور صفات دی ہے، کیا آپ نے اتنا خوب کرنے کی بھی مزورت نہیں تھی کہ آپ کی اس کاوش سے اس شہادت و صفات خداوندی کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ کیا آپ کو اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ کل (روزِ حساب) کو جب خدا آپ سے پوچھے گا کہ ہم نے ان (صحابہؓ) کی سیرت و کردار کے متعلق تو یہ گواہی دی تھی، اور تم نے ان کی طرف ایسی ہاتھی مسوب کر دیں جو ہماری گواہی کو جھوٹا ناہست کرتی تھیں، تو اس وقت آپ کا حساب کیا ہے؟ کیا آپ کا یہ حساب عدالت خداوندی میں تابع پذیری مہنگا کہ مجھے تاریخ میں، طلب دیا بس، جو کچھ ملا ہیں نے اسے بدل تحقیق و تنقید پیش کر دیا؟

ہم ان صاحب سے واقع نہیں، درستہ ان سے اتنا ضرور پوچھتے کہ جماعتِ اسلامی کے پیشی نظر مقصد قرآنی فہم ہے، لیکن آپ کو اس قسم کی سازش کرنے والے عنادر کے ایجنت بننے کی کیا مزورت لاحق ہوئی تھی، جو ان کے ساتھ انہا اعمال نامہ بھی سیاہ کر لیا۔

جس اسلام کے لئے ہماری یہ تاریخ بھی عجیب قسم کا سرطان (CANCER) ہے۔ جن چیکی سے سازشوں کے ایک گروہ نے پہلے اس قسم کی تاریخ مرتب کی۔ صدرِ اول سے کوئی دو اٹھائی سو سال بعد کسی سابقہ مستند تحریری دیکارڈ کے بغیر۔ اب جو شخص اس سازش کو مستحکم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس تاریخ کو سند کے طور پر پیش کر دیتا ہے۔ جب اس پر کوئی اعتراض کیا جائے تو وہ نہایت معصومانہ انداز سے کہہ دیتا ہے کہ میں اپنی طرف یہ کچھ مفترزا کہہ رہا ہوں۔ یہ تو ہماری تاریخ میں لکھا ہے۔ اگر میرا کوئی حوالہ غلط ہو تو جو سزا چور کی سوہیڑی۔ اور اس سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کی پات "مستند" ہو گئی، کیونکہ اس نے تاریخ کے صحیح حوالے پیش کر دیئے! خوب کیا آپ نے کہ تاریخ کے اس سلطان نے انہا جمال کیاں تھے پسیل رکھا ہے!

یاد رکھئے! جو شخص صدرِ اول دوسرے رسالتکاپ اور صحابہؓ کی تاریخ کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار، قرآنِ کریم کو قرار نہیں دیتا، وہ اسلام، اور حضورؐ رسالتکاپ کے خلاف اس سازش کو کاملاً بناستہ میں برابر کا شرکیب ہے۔

دفترِ حلولیٰ اسلام سے ہر پوچھ کشی بارچیک کرنے کے بعد مذاک کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ پوچھنے کی شکایت باویعال کی ۵۰ تا ۶۰ نیک مل جاتے پر پوچھ بلائقیت بیچ دیا جاتا ہے۔ بعد میں آمد شکایات پر (بشرطِ موجودگی) تیناً بھیجا جائے گا۔
(ناطم ادارہ حلولیٰ اسلام لاہور)

ان خطوط کے سلسلہ میں درایت کی ضرورت نہیں بھی۔ بہت اچھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر عظیم میں ان صحابہؓ کے متعلق جو شہادت اور صفات دی ہے، کیا آپ نے اتنا حذف کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ آپ کی اس "کاوش" سے اس شہادت و صفات خداوندی کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ کیا آپ کو اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ کل (روزِ حساب) کو جب خدا آپ سے پوچھے گا کہ ہم نے ان (صحابہؓ) کی سیرت و کردار کے متعلق، تو یہ گواہی دی بختنی، اور تم نے ان کی طرف الہی ہاتھی مشوب کر دیں جو ہماری گواہی کو جھوٹا ثابت کرتی تھیں، تو اس وقت آپ کا جواب کیا ہو گا؟ کیا آپ کا یہ جواب عدالت خداوندی میں قابل پذیرائی ہو گا کہ مجھے تاریخ میں، رطب دیا بس، جو کچھ ملا ہیں نے اسے بلا تحقیق و تنقید پیش کر دیا؟

ہم ان صاحب سے واقع نہیں، درست ان سے اتنا ضرور پوچھتے کہ جماعت اسلامی کے پیش نظر مقصد تو قابل فہم ہے، لیکن آپ کو اس قسم کی سازش کرنے والے عنابر کے اجنبیت بننے کی کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی، جو ان کے ساتھ انہا اعمال نامہ بھی سناہ کر لیا۔

حمدہ اسلام کے لئے ہماری یہ تاریخ بھی عجیب قسم کا سرطان (CANCER) ہے جیکی ہے۔ سازشیوں کے ایک گروہ نے پہلے اس قسم کی تاریخ مرتب کی۔ صدر اول سے کوئی وہ اڑھائی سو سال پہلے کسی سابقہ مستند تحریری دیکارڈ کے بغیر۔ اب جو شخص اس سازش کو مستحکم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس تاریخ کو سند کے طور پر پیش کر دیتا ہے۔ جب اس پر کوئی اعتراض کیا جائے تو وہ نہایت معصومانہ انداز سے کہہ دیتا ہے کہ میں اپنی طرف یہ کچھ عقول رکھ رہا ہوں۔ یہ تو ہماری تاریخ میں کھا ہے۔ اگر میرا کوئی حوالہ غلط ہو تو جو سزا پوری سو میری۔ اور اس سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کی بات "مستند" ہو گئی، کیونکہ اس نے تاریخ کے صحیح حوالے پیش کر دیئے! حذر کیا آپ نے کہ تاریخ کے اس سرطان نے اپنا جال کھا لیکے پیساک رکھا ہے!

یاد رکھئے! جو شخص صدر اول دوسری رسالتاً (اور صحابہؓ) کی تاریخ کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار، قرآن کریم کو قرار نہیں دیتا، وہ اسلام، اور حضور رسالتاً کے خلاف اس سازش کو کامیاب بنانے میں برابر کا شرکیں ہے۔

دفتر طور اسلام سے ہر پوچھ کئی بار چیک کرنے کے بعد مذاک کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ پوچھنے کی شکایت ماہر عالی کی ہاتھیہ تک مل جانے پر پوچھ بلائقیت پیچھے دیا جاتا ہے۔ بعد میں آمد شکایات پر (شرط موجودی) تیکت پہیجا جائے گا۔

فائدہ حکم اور قرآن مجید

پہلی سالی اور اس پر مختلف عوارض کے بحث کے پیشے ہی مضمحل کر رکھا تھا جو گذشتہ دلوں مسلسل بخار کی شدت نئے رہیں ہی کسر بھی نکال دی۔ اور مقاہت اس قدر بڑھ گئی کہ تھوڑے سے وقت کے لئے بات چیزیں کرنے کی بھی جست نہ رہی۔ جسمانی کو فوج تھی ہی لیکن اس دوران میں دو ایک باہمی ایسی نظریوں سے گزریں جہوں نے انتہائی رعایتی کرب پیدا کر دیا۔ سوچتا تھا کہ اگر مخصوصی سی سکت بھی پیدا ہو جائے تو میں کم از کم اپنی ایک شہادت کو تجربہ کر کے محفوظ کر جاؤں جس سے ثابت ہو سکے کہ محسن ملت تمام اعظم کا قرآن حکیم کے ساتھ کس تدریج ہمرا تعلق تھا۔ اس احساس کی شدت، اس خیال سے اور بھی بڑھ گئی کہ مکمل فیاضت کے دل کم از کم اس باز پرس سے نجح حاصل کر جب یہ اتنی بڑی شہادت تمہارے پاس موجود تھی قوم اسے اپنے سینے میں مستور رکھ کر دنیا سے کبھی چلے آئے۔ لیکن میری مقاہت راستے میں بُری طرح حائل تھی۔ اس مشکل کا حل میرے واجب الاحترام دوست پرویز صاحب نے پیش کر دیا۔ الہول نے مراجح پر سی کے لئے ٹیل فن کیا تو میں نے ان سے اپنے اس کرب کا انہیاں بھی کیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنے ایک معاون کو آپ کی خدمت میں بھیجے دیتا ہوں۔ آپ جو کچھ لکھنا چاہیں امام کرا دیجئے۔ چنانچہ میں ان کے شکریے کے ساتھ یہ الفاظ اٹلا کر دیا ہوں تاگہ یہ اس کے بعد طیورِ اسلام کے صفات میں محفوظ ہو جائیں۔

پہلی چیز جو میرے لئے اس رعایتی کرب کا باعث ہوئی وہ جماعتِ اسلامی کے موجودہ امیر میاں طفیل محمد صاحب کی پیش کردہ تثیت تھی۔ یعنی یہ کہ ایک جد اگاہ نہ ملکت کا خیال اقبالؒ نے دیا۔ پاکستان کا نظریہ موجودی صاحب نے عطا فرمایا اور محمد علی جناحؒ نے اس کے عطا بیان ایک ملکت حاصل کر لی۔ اس قسم کی ایک تثیت عیسائیوں نے بھی مسئلکل کی تھی۔ یعنی باب، بیٹا اور روح القدس۔ ہم تو یہ اقنوں کا شکا شہ برابر کی حیثیت رکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ باب اور روح القدس پہنچے ہیں حلول کر گئے اور عیسائیت کا۔ بلکہ یوں کہیے کہ ساری دنیا کا مدار علیہ حضرت مسیحؑ ہی رہ گئے۔ اس بجدیہ تثیت کے پیش کرنے والے جس بُری طرح سے پہلے تحریک پاکستان کے اور اب ملکت پاکستان کے بیچے پڑے ہوئے ہیں، اس کی روشنی میں یوں نظر آتا ہے کہ

فائدہ اعظم اور قرآن مجید

پہلے سالی اور اس پر مختلف عوارض کے ہجوم نے پہلے ہی مضھمل کر رکھا تھا جو گذشتہ دلوں مسل
نگار کی شدت نے رہی تھی کسر بھی نکال دی۔ اور فقاہت اس قدر بڑھ گئی کہ مخطوطے سے وقت کے لئے
بات چیزیں کرنے کی بھی صحت نہ رہی۔ جسمانی کوفت تو تھی تھی لیکن اس دوران میں دو ایکس باہمیں ایسی
نظریں سے گز دیسی جنمیں نے انتہائی بعد حاجی کرب پیدا کر دیا۔ سوچتا تھا کہ اگر مخطوطی سی سکت
بھی پیدا ہو جائے تو میں کم از کم اپنی ایک شہادت کو حکمینہ کر کے محفوظ کر جاؤں جس سے ثابت ہو
سکے کہ محسن ملت خاتم الانوار کا قرآن مجید کے ساتھ کس خدا گھبرا تعلق تھا۔ اس احساس کی شدت،
اس خیال سے اور بھی بڑھ گئی کہ کھل قیامت کے دن کم از کم اس باز پرس سے بچ جاؤں کم جب یہ
اپنی بڑی شہادت نہیں سے پاس موجود تھی قوتِ اسے اپنے سینے میں مستور رکھ کر دنیا سے کبھی پچھلے
آئے۔ لیکن میری نقاہت راستے میں بُری طرح حائل تھی۔ اس مشکل کا حل میرے واجب الاحترام دوست
پرویز صاحب نے پیش کر دیا۔ انہوں نے مذاج پرسی کے لئے میل فون کیا تو میں نے ان سے اپنے
اس کرب کا اظہار بھی کیا۔ رس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنے ایک معادن کو آپ کی خدمت میں
بھیجے دیتا ہوں۔ آپ جو کچھ ملکھنا چاہیں انہیں املا کر دیجئے۔ چنانچہ میں ان کے شکریے کے ساتھ
یہ الفاظ اٹلا کر رہا ہوں تاکہ یہ اس کے بعد طورع اسلام کے صفات میں محفوظ ہو جائیں۔

پہلی چیز جو میرے لئے اس بعد حاجی کرب کا باعث ہوئی وہ جماعتِ اسلامی کے موجودہ امیر میاں
طفیل محمد صاحب کی پیش کردہ تثیت تھی ۔۔۔ یعنی یہ کہ ایک جدا گانہ حکمت کا خیال اقبالؒ نے
دیا۔ پاکستان کا نظریہ موجودی صاحب نے عطا فرمایا اور محمد علی جناحؒ نے اس کے مطابق ایک حکمت
چھپل کر لی۔ اس قسم کی ایک تثیت عیما شجاع نے بھی متشکل کی تھی ۔۔۔ یعنی باپ، بیٹا اور روح
القدس ۔۔۔ شروع میں تو یہ اقتوم ثلاثہ برابر کی حیثیت رکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ہمایہ کہ باپ
اور روح القدس بہتی ہی حلول کر گئے اور عیسائیت کا ۔۔۔ بکہ یوں کہیے کہ ساری دنیا کا مدار
علیہ حضرت مسیح علیہ السلام رکھتے ۔۔۔ اس بجدیت تثیت کے پیش کرنے والے جس بُری طرح سے پہلے تحرك
پاکستان کے اور اب حکمت پاکستان کے بیچ پہنچے ہوئے ہیں، اس کی روشنی میں یوں نظر آتا ہے کہ

رفتہ رفتہ اس ملت کے چھوٹے دونوں طبقے — یعنی اقبال اور جناب، ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کے معزز مقتنی — مودودی صاحب۔ خط مستقیم ہی کر باقی پاکستان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آ جائیں گے۔ تاریخ میں اس قسم کی تفسیع و تحریف کوئی نیا واقعہ نہیں۔

وہ سرا واقعہ، جس سترے میرے اس کرب کو شدید ترین درد میں بدل دیا، مودودی صاحب کا یہ ارشادِ گرامی مقاکہ تائماً عظیم کا پاکستان کو اسلامی مدنیت بنانے کا دلکشی بھی محض فراؤ اور فریب تھا۔ مجھے الٰہ انگریز کرب اس احساس سے تھا کہ یہ ناپاکار، ایسا کچھ سترے کے لئے زندہ کیبل رہا اور اس سے پہنچے ہی اس کا خالہ کبھی نہ ہو گیا۔ تائماً عظیم کا فراؤ مجید کے ساتھ کس ندر گھر اتعلق تھا اور وہ اس باب میں کس قدر مخلص تھے، اس کے متعلق بہت کچھ بحاجا بچکا ہے لیکن میں اس میں ایک ذاتی واقعہ کا اختلاف کرنا چاہتا ہوں جسے بھی لئے اپنی شہادت کر کر بجاوا ہے۔ ۱۹۷۸ء کے آخری تملث کی بات ہے جب قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ آل اہلیہ مسلم بیگ کے اداکبیں عکس ساتھ مدد ملت ولاء (لامبور) میں قائم فرمائے۔ ایک دن جب میں اپنے مکان — چالہ نمبر ۱۵۵/۴ میں بیٹھا ہوا مقام، قائدِ اعظم کا ایک نامہ میرے پاس پہنچا اور کہا کہ قائدِ اعظم نے مجھ غاکسار کو فوری طور پر باد فرمایا ہے۔ میں فوراً پہنچے کے لئے تباہ ہوا، لیکن پھر خیال آیا کہ — زبانی یا میں توکی و من توکی فام میں الگزیں کا ایک حرف نہیں جانتا اور قائدِ اعظم شایہ میری زبان کو لوری طرح سمجھ رہا ہے لیکن قبایلی لفظ کا نقشہ کیا ہے۔ الفاق سے اس وقت میرے پاس سڑ ایم مسعود خادر (سلامن آئی بی۔ ایس، جو اس نامے میں قاوب شاہ کے ٹوپی مشہور تھے) بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے ساتھ چلنے کے لئے کہا کہ وہ ترجیحی کے فرائض سزا نہام دیے سکیں۔ ہم مدد و ط ولہ پہنچنے تو قائدِ اعظم ایک چھوٹے سے کرسے میں، جس کا دروازہ بڑے ہاں کی طرف بھی کھلتا تھا، میرے منتظر بیٹھے تھے۔ سلام مسنون کے بعد انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک بڑے اہم دینی مقصد کے لئے بلایا ہے۔ جمیعت العلمائے مہند (دوہی) جس کے سرپرست مفتی اغایت اللہ ام حومہ مولانا سعید احمد بدی (مرحوم) اور مولانا ابوالفضل آزاد (مرحوم) چیئیٹیشنٹ عہداء رسول سے تحریکیہ پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں،

بعثت نے علاء زمان سے یہ نوا بھی میں لیکن ان کی کوئی تنظیم نہیں۔ کچھ عوصہ سے یہ کوشش جاری رکھی کہ ان علماء پر مستعمل ایک منواری جمیعت قائم کی جائے۔ ان کا مرکز کلکتہ تحریک پایا اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں بھی چائم کر دی گئیں۔ اس کا انتظامی اجلاس چند دفعوں کے بعد کلکتہ میں ہوا فرار پا یا۔ اس سلسلے میں تک بھر میں دعوت نامے بھی جاری کر دیئے اور مولانا راعب احسن (مرحوم) کے ذیرہ کردگی بجلد انتظامیت بھی مکمل کر لئے گئے۔ اس جمیعت کے نامزوں میں مولانا شیعراحمد عثمانی نے اس کا اقتدار کرنا تھا کہ دعویٰ الفاق سے وہ دیکھ بند میں علیل ہو گئے ہیں۔ جمیعت کے اجلاس میں چند روز باتی ہیں۔ وہ اس میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

یہ پس منتظر بیان کرنے کے بعد قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے مخفوض "جوئی" انداز میں فرمایا کہ

رفتہ رفتہ اس ملکت کے چھوٹے دونوں ضلعے — یعنی اقبالیٰ اور جناح، ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کے معززہ مقائزی — مودودی صاحب بخط مستقیم بن کر بانیِ پاکستان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آ جائیں گے۔ تاریخ میں اس قسم کی تفسیع و تحریف کوئی نیا واقعہ نہیں۔

وہ سرا واقعہ، جس سے میرے اس کرب کو شدید ترین درد میں بدل دیا، مودودی صاحب کا یہ ارشادِ کرامی تھا کہ تائیدِ عظیم کا پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا دلکشی بھی محض فراد اور فریب تھا۔ مجھے الہ انگریز کرب اس احسان سے تھا کہ یہ ناپاکا، ایسا کچھ سنتے کے لئے زندہ کیوں رہا؟ اس سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کیوں نہ ہو گیا۔ تائیدِ عظیم کا قرآن مجید کے ساتھ کس قدر گھبرا تعلق تھا اور وہ اس باب میں کس قدر مخلص تھے، اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن میں اس میں ایک ذائقی واقعہ کا اختلاف کرنا چاہتا ہوں جسے بھی نے اپنی شہادت کر کر بکارا رکھا۔ ۱۹۴۷ء کے آخری ملکت کی بات ہے جب قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اداکاریں کے ساتھ محمد شاہ ولی (الامور) میں قیام فرمائے۔ ایک دن جب میں اپنے مکان — چالہ نمبر ۱۵۵/۸ میں بیٹھا ہوا تھا، قائدِ عظیم کا ایک نائمنہ میرے پاس پہنچا اور کہا کہ تائیدِ عظیم نے مجھ غاکسار کو فوری طور پر یاد فرمایا ہے۔ میں فوراً پہنچنے کے لئے تباہ ہوا، لیکن پھر خیال آیا کہ — زبانی پار من ترکی و من تو کی فنی حافظ۔ میں الگرینج کا ایک حرف نہیں جانتا اور تائیدِ عظیم شاہید میری ربان کو فوری طرح سمجھ رہا ہوں تو باہمی گفتگو کا نقشہ کیا ہو گا۔اتفاق سے اس وقت میرے پاس سڑاکیم مسعود کھڈر (سابق آل سی۔ ایس۔ جو اس نے میں نواب شاہ کے طبقی مشترکے) بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے ساتھ پہنچنے کے لئے کہا کہ وہ ترجیحی کے فرائض سراخاں دیے سکیں۔ سرمحمد ویٹ ولے پہنچنے تو تائیدِ عظیم ایک چھوٹے سے کرنے میں، جس کا دروازہ بڑے ہال کی طرف بھی مکھتا تھا، میرے منتظر بیٹھے تھے۔ سلام مسنون کے بعد انہوں نے اضافہ فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک بڑے اہم دینی مقصود کے لئے بلا یا ہے۔ جمیعتِ العلمائیہ منہ (دوہی) جس کے سرپرست مفتی اکفایت اللہ امیر حرمہ مولانا نسیمی احمد مدینی (مرحوم) اور مولانا ابوالفضل احمدزادہ (مرحوم) جیسے نیشنلٹ علما، بررسیوں سے تحریکیہ پاکستان کی خالصت میں سرگرم عمل ہیں، بعثت سے خلاصہ ہمارے ہم تو بھی میں لیکن ان کی کوئی تظلم نہیں۔ کچھ عرصہ سے یہ کوشش جاری رکھی کہ ان علما پر مستحکم ایک منوازی جمیعت قائم کی جائے۔ ان کا مرکز کلکتہ تحریک پایا اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں بھی چاہم کر دی گئیں۔ اس کا انتظامی اجلاس چند دنوں کے بعد کلکتہ میں ہوا فرار ہوا۔ اس سلسلے میں تک بھر میں دعوت فائی بھی جاری کر دیئے اور مولانا راغب احسن (مرحوم) کے زیر سرکردگی مجلس انتظامیت بھی مکمل کر لئے گئے۔ اس جمیعت کے نامزوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس کا افتتاح کرایا تھا کہ ددعوٰ الفاق سے وہ دیوبند میں علیل ہو گئے ہیں۔ جمیعت کے اجلاس میں چند روز باتی ہیں۔ وہ اس میں شرکت نہیں ہو سکیں گے۔

یہ پس منتظر بیان کرنے کے بعد تائیدِ عظیم علیہ الرحمۃ نے اپنے مخصوص "جنیل" انداز میں فرمایا کہ

تم جلد اذ چلہ خطبہ الشاہیہ تہار کرو اور ۵۷۲۰۰ رکتوبر ساکن ملکت پہنچ چاؤ۔ وہ صاحبہ کے اس قدر باہمہ نہیں کہ انہوں نے کہا کہ تم "شعبہِ حموی سیاست" میں میرے نائب کی حیثیت سے کافر فس میں شرکت کرو اور اس حزبی دینی خدمت کو سرانجام دو۔ خاکسار نے ان کی اس سرفرازی پر شکریہ ادا کیا اور آن خدمت کو اپنا اہم ترین فریضہ سمجھ کر رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ذرا تھہرو۔ جس طعن کے نائب ہیں کہ تم دہلی چاہ رہے ہو اس کی پوزیشن کے متعلق چند بنیادی نکتے ذہن میں رکھ کر دہلی چاہو۔ ان کے سامنے میز پر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا نجح رکھا تھا۔ اُسے بالآخر میں لے کر فرمایا کہ میرا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اس کتابِ عظیم میں دنیا اور آخرت کی نہذگیوں کے متعلق مکمل صاحبیت اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی، معاشری اور اخلاقی، افغان اور دامنی قواعد موجود ہیں۔ عسکری تنظیم اور حکومت کے داخلی اور خارجی استحکام کے افغان قوانین موجود ہیں۔ لوگوں کی جان و مال و ابرو کی حفاظت کے اہمی متوابط موجود ہیں۔ لیکن یہ قواعد اور متوابط بالعموم اصولی حیثیت سے دیکھنے لگتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمول تو ہمیشہ حیثیت کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان پر عمل پیرا اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ہوا جائے گا۔ اسلامی حکومت کا فریضہ یہ ہو گا کہ وہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قواعد و متوابط مرتب اور نافذ کرے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے کہا، قرآن کریم میں یہ کہا گیا ہے کہ جسم کی سزا جسم کی نواعیت کے مطابق دی جائے۔ اس پر میں نے جو ایت کرتے ہوئے کہ آپ کے ذریعہ میں غالباً قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے۔ جَرَأْ فَإِسْتَيْقَلَّتْ سَيْقَهُ مِشْدَهَا (بہ ۲۲) اس پر انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید کھولا اور اس آیت کو دیکھ کر فرمایا کہ بے شک یہی آیت میرے ذہن میں تھی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو یہ ایک اصولی حکم ہے اور اپنی۔ یہ دیکھنا اسلامی حکومت کا کام ہو گا کہ معاشرہ کے عام حالات کی روشنی میں کس جسم کی سزا کیا ہوئی چاہئے ہجر قرآن کے اس ہمول کے مطابق ہے۔ سب سے پہلے رسول اللہ نے یہ ضمنی قوانین مرتب فرمائے۔

اس پر میں نے پھر سلسلہ کلام مفتوح کرتے ہوئے عرض کیا کہ حصہ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا تھا جس کی رو سے کہا گیا تھا کہ وَ شَاوِذْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱۵۴) انہوں نے پھر قرآن کریم کو کھولا اور اس آیت کو نکال کر کہا کہ بات پا انکل واضح ہے۔ اگر قرآن مجید کے اصولی احکام کے جزوی قوانین مرتب کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو مشادرت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ حصہ خود کے بعد امتحان کو بھی اسی طرح تدوین قوانین کرنی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لئے بھی خدا کا حکم موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کوَ أَمْرُهُ شُوُرِيَ بَيْنُهُمْ (۱۵۵) انہوں نے پھر قرآن کریم سے یہ آیت نکالی اور کہا کہ خدا کی یہ ہدایت ہماری راہنمائی کے لئے کس تعداد واضح ہے۔ اسلامی حکومت، جس کے لئے ہم کو مشترک کر رہے ہیں۔ کے آئین کی بنیاد یہی ہوگی۔

قام اعظم ان بالوں میں معروف تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے کھلکھلایا جا رہا تھا۔ کیونکہ مسلم لیگ کے انکیں ضروری کامیابی کے لئے مضطرب تھے۔ اس پر میں نے امتحانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے

تم جلد از چلہ خطبۃ النتائج یہ تیار کرد اور ۵/۷/۶۷ راکٹ بر سماں کلکٹٹہ پہنچ چاہو۔ وہ مقابلہ کے اس قدر باہمہ نہیں کہ انہوں نے کہا کہ تم "شعبہِ احمدی سیاست" میں میرے نائب کی حیثیت سے کالفنیس میں شرکت کر دا اور اس خروجی دینی خدمت کو سراخ نام دو۔ خاکسار نے ان کی اس سرفرازی پر شکریہ ادا کیا اور اس خودت کو اپنا اہم ترین فریضہ سمجھ کر رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ذرا مھڑو۔ جس طبقہ کے نائب میں کر قم دہاں جا رہے ہو اس کی پوزیشن کے متعلق چند بیاناتی نکتے ذہن میں رکھ کر دلاں جاؤ۔ ان کے سامنے میر پر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ رکھا تھا۔ اُسے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میرا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اس کتابِ عظیم میں دنیا اور آخرت کی نندگیوں کے متعلق مکمل مقابلہ اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی، معاشی اور اخلاقی، افت اور واثقی قواعد موجود ہیں۔ عسکری عظیم اور حکمت کے داخل اور خارجی استحکام کے افت قوانین موجود ہیں۔ لوگوں کی جان دمال و آبرو کی حفاظت کے ابھی منابط موجود ہیں۔ لیکن یہ قواعد اور منابط بالعموم اصولی حیثیت سے دیئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول تو ہمیشہ چیزیں کے لئے غیر متبادل رہیں گے لیکن ان پر عمل پیرا اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ہوا جائے گا۔ اسلامی حکمت کا فریضہ یہ ہو گا کہ وہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قواعد و منابط مرتب اور نافذ کرے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے کہا، قرآن کریم میں یہ کہا گیا ہے کہ جسم کی سزا جسم کی نوعیت کے مطابق دی جائے۔ اس پر میں نے جو ایت کرتے ہوئے کہ آپ کے فہم میں غالباً قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے۔ **جَرَأَهُ أَسْيَّكَةٌ سَيِّكَةٌ مِّثْلُهَا** (۱۰/۴۲) اس پر انہوں نے فرمایا قرآن مجید کھولا اور اس آیت کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شکر بھی آیت میرے ذہن میں ملتی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو یہ ایک اصولی حکم ہے اور ابھی۔ یہ دیکھنا اسلامی حکمت کا کام ہو گا کہ معاشرہ کے عام حالات کی روشنی میں کس جسم کی سزا کیا ہوئی چاہیئے ہجد قرآن کے اس اصول کے مطابق ہو۔ سب سے پہلے رسول اللہ نے یہ حصی قوانین مرتب فرمائے۔

اس پر میں نے پھر سلسلہ کلام منقطع کرنے ہوئے عرض کیا کہ حضورؐ نے ایسا کچھ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا تھا جس کی رو سے کہا گیا تھا کہ **وَمَا وَرَهُمْ فِي الْأَمْرِ** (۱۰/۴۵) انہوں نے پھر قرآن کریم کو کھولا اور اس آیت کو تکال کر کہا کہ بات بالکل واضح ہے۔ اگر قرآن مجید کے اصولی احکام کے جزوی قوانین مرتب کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو مشادرت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ کے بعد امتحان کو بھی اسی طرح تدوین قوانین کرنی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لئے بھی خدا کا حکم موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ **وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ** (۱۰/۴۳) انہوں نے پھر قرآن کریم سے یہ آیت نکالی اور کہا کہ خدا کی یہ ہدایت ہماری راہنمائی کے لئے کس تعداد ماضی ہے۔ اسلامی حکمت، جس کے لئے ہم کو مشتمل کر رہے ہیں۔ کے آئین کی بنیاد بھی ہوگی۔

قَاتُلُ اعْظَمَ ان بالوں میں مصروف تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے کھلکھلایا جا رہا تھا۔ کیونکہ مسلم لیگ کے الکین ضروری کاموں کے لئے منظر تھے۔ اس پر میں نے اٹھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے

میں نہیں کچھ نظر معلوم ہوں تو مثال کے طور پر مجھے بتاؤ۔ یہی نے عرض کیا کہ سورۃ الانفال کی پہلی آیت میں جنگ میں محاصل شدہ مال کے متعلق ایک اصولی حکم ہے کہ وہ مال "اللہ اور رسول" کا ہوگا۔ کاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں مختلف جنگوں میں محاصل شدہ مال خیانت کی تقییم مختلف انداز سے ہوتی۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر ایک انداز سے، خبربر کی فتح کے بعد دوسرے انداز سے، جنگ حنین اور ہوازن میں جو بیٹے شمار مال خیانت لاقہ آیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کے مشون سے وہ سارے کا سارا مال ان مجاہدین میں تقسیم کر دیا تو الجی کو عرصہ سے لفڑ مکر کے دفت حلقوں بجھشیں اسلام ہوتے تھے۔ اس پر بعض گوشوں میں کچھ باہمی بھی ہونے لگیں یہیں جب حنود نے اس کی مصلحت سہمائی تو وہ بیک نیان پکار آئی کہ رہمنا یا رسول اللہ حضور! اسم مطہری ہیں۔

وہ ان تفصیلات کو بڑے ہذب و انتہا کے سے سن رہے تھے۔ وہ اس لفکو کے لئے زیادہ دقت دینا چاہتے تھے لیکن مسلم لیگ کی کارروائی کے اصرار پر انہیں اسے محض کرنا پڑا۔ میں اٹھا، تو فرمایا کہ جاتے جاتے ایک اور بنیادی نکتہ بھی فہریں میں سے کہ جاؤ۔ کہا کہ میری نظر میں قرآنؐ مجید کے فیصلے کی مطابق رو بدر تین اور ناقابلِ معافی جرم ہیں۔ ایک شرک اور دوسرا تفرقہ۔ تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤ کے نام پر، خواہ سیاسی راستہاوں کے نام پر ہر، وطنیت کے نام پر ہو، رنگ نسل اللہ خون کے نام پر ہو، بہر حال جرم عظیم ہے۔ ان دو فوں جرائم میں سے پہلے جرم (شرک) کی سزا اُخڈی زندگی میں ٹھی۔ لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلت و خواری، غلامی اور مکومی کی شکل میں ٹھی۔ اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام فرع انسان کو دو گھر دیہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مومن اور دوسرے کافر۔ اسی کا نام دو قومی نظر ہے۔ مومنین کے اندر کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابلِ معافی جرم قرار پاٹے گا۔ اس نکتے کو خاص طور پر فہریں میں رکھنا۔ جاؤ خدا حافظ۔

میں رخصت ہو کر آیا تو بہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ یہ شخص جسے عام طور پر صرف ایک بیرون سمجھا جاتا ہے اس کی اسلام کے بنیادی اصولوں پر کتنی گہری نکاحہ ہے۔ اور اس شخص کے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ذہن میں اسلامیت کی چیزیں تک دکھائی نہیں دیتی، کتنا بڑا کذب و افتراء ہے۔ میں نے حسب الارشاد خطبہ تیار کیا اور لکھتے چلا گی۔ ہم چار دن وہاں رہے لیکن کیفیت ہے تھی کہ قائد اعظم جہاں بھی تھے ہم سے رالیم قائم کئے رہے اور تفصیلات معلوم کرتے رہے۔ آخری اجلاسِ ختم ہونے سے پہلے ان کی طرف سے تنقیم کے متعلق بھی مزدوری برداشت موصول ہو گئیں اور قراردادوں کے سلسلے میں بھی۔

الل قراردادوں میں یہ کہا گیا تھا کہ:-

(۱) تحریک بیکتاں کی بنیاد دو قومی نظر ہے جو تراجمؑ مجید کا علا فرمودہ بغیر متمدد

میں نہیں کچھ نظر اُر معلوم ہوں تو مثال کے طور پر مجھے بتاؤ۔ یہی نے عرض کیا کہ سورۃ الانفال کی پہلی آیت میں جنگ میں حاصل شدہ مال کے متعلق ایک اصولی حکم ہے کہ وہ مال "اللہ اور رسول" کا ہے۔ نایاب ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہؐ کے نام نے میں مختلف جنگوں میں حاصل شدہ مال خیانت کی تقسیم مختلف انداز سے ہوئی۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر ایک انداز سے، خبر کی فتح کے بعد دوسرے انداز سے، جنگ حنین اور ہوازن میں جو بے شمار مال خیانت اتفاق آیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کے مشون سے وہ سارے کا سارا مال ان مجاهدین میں تقسیم کر دیا جو الجھی کچھ عرصہ سے طبق مکہ کے وقت حلقوں پر بھجوئی اسلام ہٹھئے تھے۔ اس پر بعض گوشوں میں کچھ باہمی بھی ہونے لیکن جب حضورؐ نے اس کی مصلحت سمجھائی تو وہ پیک نیان پیکار اُنھیں کہ رعنینا یا رسول اللہ۔ حضورؐ! ہم مطمئن ہیں۔

وہ ان تفصیلات کو بڑے چوب و انہماں سے سلن رہے تھے۔ وہ اس گفتگو کے لئے زیادہ وقت دیتا چاہتے تھے لیکن مسلم لیگ کی کارروائی کے اہراد پر انہیں اسے محض کرنا پڑا۔ میں اٹھا، تو فرمایا کہ جاتے جاتے ایک اور بنیادی نکتہ بھی ذہن میں لے کر جاؤ۔ کہا کہ میری نظر میں قرآن مجید کے فیصلے کے مطابق رو بدر تین اور ناقابل معاافی جرم ہیں۔ ایک شرک اور دوسرا تفرقہ۔ تفرقہ خواہ مذہبی پیشوala کے نام پر، خواہ سیاسی راستہاوں کے نام پر ہو، وطنیت کے نام پر ہو، زنگ نسل اللہ خون کے نام پر ہو، بہر حال جرم عظیم ہے۔ ان دونوں جرم (شرک) کی سزا اُخذی زندگی میں لے گی۔ لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلت و خواری، غلامی اور مکومی کی شکل میں لے گی۔ اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام فرع انسان کو دو گردوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مومن اور دوسرے کافر۔ اسی کا نام دو قومی نظر ہے۔ مومنین کے انہوں کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابل معاافی جرم قرار پائے گا۔ اس لمحتے کو خاص طور پر ذہن میں رکھنا۔ جاؤ خدا حافظ۔

میں رخصت ہو کر آیا تو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ یہ شخص جسے عام طور پر صرف ایک بیرون سمجھا جاتا ہے اس کی اسلام کے بنیادی اصولوں پر کتنی گہری لکھا ہے۔ اور اس شخص کے متعلق یہ کہنا گہ اس کے ذہن میں اسلامیت کی چیزیں تک دکھائی ہنہیں دیتی، لکھا بڑا کذب و افتراء ہے۔ میں نے حسب الارشاد خطبہ تیار کیا اور لکھتے چلا گیا۔ ہم چار دن دہائیں رہے لیکن کیفیت یہ تھی کہ قائمِ اعظم جہاں بھی لمحے ہم سے رابطہ قائم کئے رہے اور تفصیلات معلوم کرتے رہے۔ آخری اجلاس حکمت ہونے سے پہلے ان کی طرف سے تنقیم کے متعلق بھی ضروری بڑا یات موصول ہو گئیں اور قراردادوں کے سلسلے میں بھی۔

ان قراردادوں میں یہ کہا گیا تھا کہ:-

(۱) تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظر ہے جو قرآن مجید کا عالم فرمودہ بغیر متعبد

اصول ہے۔

(۱) اگر خدا نے تحریک پاکستان کو کامیابی عطا فرمائی تو اس سرزین میں ہیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز پر حکومت قائم ہوگی، جس کا نام خلافت علی منہاج نبوت ہو گا۔ بالفاظ دیگر اس حکومت کے ہر وائرے میں قرآن مجید کی حکما فی ہوگی۔

(۲) الحمد لله بھارت کی ایکیم کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے گا اور اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہ (اور ان کے علاوہ کچھ تظییبی قرار داویں) اس مردمیں کی ہدایات کے مطابق مرتب اور منتظر کی گئیں جیسے ایک گوشے سے "قامعِ اعظم" کہہ کر پکارا جانا تھا اور دوسرے گوشے سے یہ آواز بلند کی جاتی تھی کہ اس کی ایکیم کے مطابق جو مملکت قائم ہوگی اس میں حکومت ہندوستان کی کافر دانہ حکومت سے بھی پذر ہوگی۔

نشکیلی پاکستان کے بعد قائدِ اعظم کے پیش نظر سب سے پہلا اور سب سے اہم مقصد اس سرزین کی سرحدوں کا تحفظ ہوتا۔ اور جن لوگوں کی آنکھوں پر حسد اور تعقیب نہیں بھی نہیں بازٹھ دی، انہیں اچھی طرح سے سلوام ہے کہ ایسا کرنا خود قرآنی محید ہی کے الشاد کی تعمیل میں تھا۔ وہ نشکیلی پاکستان کے بعد ایک سال تک زندہ رہے۔ زندہ کیا، یوں کہیے کہ صرف سانس لیتے رہے اور جس مہیک مرض کا دہ شکار ہو گئے تھے اُسے ایک راز کی طرح سینے میں پھیلاتے رکھا۔ لیکن اس ایک سال کے عرصہ میں انہوں نے اندروں ملک کی تنظیم اور بیرونی خطرات کی مدافعت کے سلسلے میں جو کچھ کیا اُسے دیکھ کر خیرت ہوتی ہے کہ اس نذرِ سخت و زارِ ملیٹشیف، مخفی قوت ایمانی کے بل بوتے پر کیا کچھ کر سکتا ہے۔ میں مختلف مکتبوں اور دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بڑی بڑی نامور ہستیبوں سے شرفِ تلمذ اور تعارف حاصل رہا۔ میں نے سیاسی نیپوڑوں کو بھی دیکھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی۔ لیکن مجھے پوری زندگی میں قائدِ اعظم سے بڑھ کر کوئی شخصیت متأثر نہ کر سکی۔ میں نے ہر ایک کو اُن سے لکڑ پایا۔ بلندی کرواد کے اختیار سے بھی اور قرآنی بصیرت کے بیچ سے بھی۔ اس قسم کے انسان مددیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔ بھروسے کے خلاف آج ہذاں بک رہے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جانہ پر محفوظ، خود اپنے منہ پر آیا کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کیا، سب مل کر بھی اس بطل جلیل کے عنبار را تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ اُسے اپنے سماں کرم کے سائے میں رکھے۔

والسلام

خاکسار - غلام مرشد (سابق خطیب
بادشاہی مسجد لاہور ۱۹۳۵ء - ۱۹۴۷ء)

اصول ہے۔
 (۱) اگر خدا نے تحریک پاکستان کو کامیابی عطا فرمائی تو اس سرزین میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرز پر حکومت قائم ہو گی، جس کا نام خلافت علی مسیح اج نبوت ہو گا۔ بالفاظ دیگر اسی حکومت کے ہر دائرے میں قرآن مجید کی حکمرانی ہو گی۔
 (۲) انھنہ تعبارت کی اسکیم کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے گا اور اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہ (اور ان کے علاوہ کچھ تنظیمی قراردادیں) اس مردمیں کی ہدایات کے مطابق مرتب اور منتظر کی گئیں ہیں جسے ایک گوشے سے "کافر اعظم" کہہ کر پکارا جاتا تھا اور دوسرے گوشے سے یہ آواز بند کی جاتی تھی کہ اس کی ایکیم کے مطابق اسی ملکت قائم ہو گی اس میں حکومت ہندوؤں کی کافشانہ حکومت سے بھی پدر تر ہو گی۔

تلکیل پاکستان کے بعد قائم اعظم کے پیش لفڑی سب سے پہلا اور سب سے اہم مقصد اس سرزین کی سرحدوں کا تحفظ تھا۔ اور جن لوگوں کی آنکھوں پر حسد اور تعصیت نے پہی نہیں پاندھ دی، انہیں اپنی طرح سے معلوم ہے کہ ایسا کرنا خود قرآن مجید ہی کے ارشاد کی تعمیل میں تھا۔ وہ تلکیل پاکستان کے بعد ایک سال تک زندہ رہے۔ زندہ کیا، یوں کہیے کہ صرف سانس لیتے رہے اور جس ہبہک مرض کا وہ شکار ہو گئے تھے اُسے ایک راز کی طرح سینے میں چھپائے رکھا۔ لیکن اس ایک سال کے عرصہ میں انہوں نے انہوں ملک کی تنظیم اور ہر دنی خطرات کی مدافعت کے سلسلے میں جو کچھ کیا اُسے دیکھ کر خیرت ہوتی ہے کہ اس قدر شخصی و زار ملیعہ شخصی مخفی قوت ایمانی کے بل بھتے پر کیا کچھ کر سکتا ہے۔ میں مختلف مکتبوں اور دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بڑی نامور ہستیوں سے شرف نکھڑا اور تعاون حاصل رہا۔ میں نے سیاسی لیڈروں کو بھی دیکھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی۔ لیکن تجھے پوری زندگی میں قائم اعظم سے بڑھ کر کوئی شخصیت متاثر نہ کر سکی۔ میں نے ہر ایک کو اُن سے کتر پایا۔ بلندی کردار کے اعتبار سے بھی اور قرآنی بصیرت کے منح سے بھی۔ اس قسم کے انسان مددیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان کے خلاف آج ہڈیاں کیک رہتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ چنانچہ پر تھوکا، خرد اپنے منہ پر آیا کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کہا، سب مل کر بھی اس بطل جلیل کے غبار راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ اُسے اپنے سماں کرم کے سائے میں رکھے۔

والسلام

خاکسار۔ علام مرشد (سابق خطیب
بادشاہی مسجد لاہور ۱۹۳۵ء)

قصہ نمائش کتب کا

سندھ امداد نوائے وقت (لاہور) کی دہرمنی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں، ادارہ تحقیقات اسلامیہ (وزارت امور مذہبیہ حکومت پاکستان) کے سینکڑی مدرس شرف المرین کا ایک تفصیل بیان شامل تھا۔ جس میں منہد دیگر امور بھی کہا گیا کہ:-

چنانچہ مولانا مودودی کی کتابوں کو نمائشیں شامل نہ کرنے کا تعین ہے، نمائش کی منتخب کمیٹی کا مقفلہ فیصلہ قضا کہ کسی اپنے مصنف کی کوئی کتاب نمائشیں میں نہ لکھی جائے جس کی تمام مکاتب فکر کے علماء کی اکثریت نے اُس نے بعض مذہبی نظریات کی وجوہ سے نہست کی ہے۔ اس پیغام کے مطابق مولانا مودودی اور مدرس غلام احمد پروپرڈ کی کتابیں مسترد کر دی گئیں اور انہیں قابل نمائش نہیں تمجھا گیا۔

اس بیان میں تاریخی حلا نہیں ہے کہ یہ کتابیں عقیدی ادارے کو نمائش میں رکھنے کے نئے ان خود بھیجی ہی گئی تھیں، اور ان کی منتخب کمیٹی نے انہیں نمائش میں لکھنے کے قابل نہ سمجھا اور مسترد کر دیا۔ اس تاریخ کے ماتحت جہاں احباب نے مختلف گوشوں سے ہم سے پوچھا ہے کہ ہم نے ان کتابوں کو اس ادارے کے پاس الگو کیا ہے؟ بھیج دیا۔ انہیں علاوه، ہم نے مناسب سنجا ہے کہ اصل واقعہ کو طیور اسلام بھی بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ ہماری کتابوں کا تعین ہے واقعہ حسب ذیل ہے:-

گذشتہ ذیہر ہیں، بیان ادارہ تحقیقات اسلامی (وزارت امور مذہبیہ، حکومت پاکستان) کی طرف سے چھٹی نمبری ۱۹۶۷/۶۶۳۱ R.I-۷۵/۳ (۱) P.R. مودودہ ۱۹۶۷ء موصول ہوئی جس میں کہا گیا کہ ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے پندرویں یوم تاسیس کے موقع پر اہم اسلامی کتابوں کی ملکیت گیر نمائش کا اہتمام کیا جائے۔ اُس کے ساتھ ہی اس میں کہا گیا کہ ہم اس نمائش میں عزور حصہ لیں اور ابھی کتابیں بھیجنیں۔ اس کے حداب میں ہم نے معدودت چاہی تو ان کی طرف سے جنوری ۱۹۶۷ء میں چھٹی نمبری ۱۹۶۷/۸۰۵۱ R.I-۷۵/۳ F.P مودودہ ۱۹۶۷ء موصول ہوئی جس میں پھر درخواست کی گئی کہ ہم مزید اس نمائش میں شرکت کوئی۔ ہم نے پیشے پہنچے جواب کی روشنی میں اس چھٹی کا کوئی جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ اس کے بعد ان کی طرف سے فروری ۱۹۶۷ء میں پھر ایک خط (نمبری ۱۹۶۷/۲۱۵۲۲ R.I-۷۵/۳ F.P مودودی ۱۹۶۷ء) ملا جس میں کہا گیا کہ:-

ہم آپ کو اس امر کی پوری صفائت دیتے ہیں کہ آپ کی کتابیں (الشاعر اللہ) آپ کو صیحہ حالت میں واپس ملیں گی۔ اس لئے آپ نمائش میں ضرور شرک بھول اور

قصہ نمائش کتب کا

سذرنامہ نوائی وقت (لاہور) کی ۵۰۰مئی ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں، ادارہ تحقیقات اسلامیہ (وزارت امور مذہبیہ حکومت پاکستان) کے سرکاری ملٹر شرف المرین کا ایک تفصیلی بیان شامل تھا۔ جس میں محمد دیگر امور پر کہا گیا کہ:-

جبکہ مولانا مودودی کی کتابوں کر نمائش میں شامل نہ کرنے کا تعین ہے، نمائش کی منتخب کمی کا تنقیقہ فیصلہ تھا کہ کسی ایسے مصنف کی کوئی کتاب نمائش میں نہ لکھی جائے جس کی تمام مکاتب فکر کے علماء کی اکثریت نے اُس کے بعض مذہبی نظریات کی وجہ سے ندامت کی ہے۔ اس تھیڈے کے مطابق مولانا مودودی اور مطر غلام احمد پروپر کی کتابیں مسترد کر دی گئیں اور انہیں قابل نمائش نہیں سمجھا گیا۔

اس بیان میں تاثر یہ چلا گیا ہے کہ یہ کتابیں عقیقی ادارے کو نمائش میں رکھنے کے نئے انہوں بھی ہی کئی تھیں اور ان کی منتخب کمی نہیں نمائش میں سمجھنے کے قابل نہ سمجھا اور مسترد کر دیا۔ اس تاثر کے ماتحت جہادی اصحاب نے مختلف گوشوں سے ہم سے پوچھا ہے کہ ہم نے ان کتابوں کو اس ادارے کے پاس اخراج کیا ہے بھیج دیا۔ انہیں جوابات، ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اصل واقعہ کو طلوع اسلام میں بیان کر دیا جائے۔ جہانگیری کتابوں کو تعین ہے واقعہ حسب ذیل ہے:-

گذشتہ ۱۹۶۳ء میں، بیان ادارہ تحقیقات اسلامی (وزارت امور مذہبیہ، حکومت پاکستان) کی طرف سے چھٹی نمبری ۱/۶۶۳-۷۵ (۳) F.R.I. میں صدر مختار ۱۹۶۳ء موصول ہوئی جس میں کہا گیا کہ ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے پندرھیں یوم تأسیس کے موقع پر اہم اسلامی کتابوں کی ملک گیر نمائش کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس میں کہا گیا کہ ہم اس نمائش میں عزور حصد لیں اور انہی کتابیں بھیجیں۔ اس کے خلاف میں ہم نے معتدرت پایہ تھوڑی تو ان کی طرف سے جنوری ۱۹۶۴ء میں چھٹی نمبری ۱/۴۰۵۷ (۳) F.P.R.I. میں صدر مختار ۱۹۶۴ء موصول ہوئی جس میں پندرہ تجویزت کی گئی کہ ہم ضرور اس نمائش میں شرکت کریں۔ ہم نے اپنے پہلے جواب کی روشنی میں اس چھٹی کا کوئی جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ اس کے بعد اُن کی طرف سے فروری ۱۹۶۴ء میں پھر ایک خط (نمبری ۱/۲۱۰۲۲ (۵۷) F.R.I. ۵۔ ۲۔ ۲۰ مارچ ۱۹۶۴ء) ملا جس میں کہا گیا کہ:-

ہم آپ کو اس امر کی پوری صفات دیتے ہیں کہ آپ کی کتاب میں (الشاعر اللہ) آپ کو صحیح حالت میں واپس لےیں گی۔ اس لئے آپ نمائش میں ضرور شرک جوں اور

اپنی کتب کی فہرست محفوظ وار ہیں فوراً بیچ دیں تاکہ انہیں اس۔۔۔ کتاب پر
میں شریک تھا جائے جس کی اس موقعہ پر اشاعت ریکارڈ ہے۔

اُن کے اس قدر اصرار اور اس ضمانت کے بعد ہم نے انکار مناسب نہ کیا اور پروپریتیز مالک کی
تثیں کتابیں ان کے پاس بیچ دیں جنہیں انہیں نے سند کیے کے ساتھ دعویٰ کیا۔ اس کے بعد
انہیں کچھ معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہوا بھروسہ مطری شرف الدین کے اس بیان کے، جس کا اقتضاء اور پر دیا ہا
ڑکا ہے۔ انہوں نے آج تک اس پاس میں ہمیں کچھ لکھتے کی اخلاقی صورت بھی محسوس نہیں کی۔ اگر وہ ہمیں
کچھ لکھتے تو ہم اُن سے مرف اتنا پر سمجھتے کہ جب وہ ان کتابیں کے لئے ہم نے بار بار درخواست اور اصرار
کر رہے تھے تو کیا انہیں ان کے مصنف (پروپریتیز صاحب) کا تمارف شامل نہیں تھا؟ کیا ان پر کتابیں
وہیں موجود کے بعد یہ "دھی" نازل ہوتی کہ اس (مصنف) کے متعلق علمدار کے ہے خیالات ہیں۔ اس
سنتے ہے کتابیں اس قابل نہیں کہ انہیں نمائش میں دکھا جائے؟

اس دافع کے پس منظر ہیں کیا ہے؟ اس کے متعلق ہم تک ملنکت روایات ہیں ہیں سیکھ چونکہ
ہم یہ تحقیقی روایات پر عمل نہیں کیا کرتے اس لئے ہم اس بار میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ بھروسہ اس
کے، کہ اگر اس ادارے کا یہ خیال ہے کہ اس مژمناک انتظام سے انہوں نے پروپریتیز صاحب کی
کتابیں کہ کچھ لفظیں پہنچایا ہے تو انہیں اس کا اذکوس ہونا چاہیے کہ وہ اس میں فعلہ کامیاب
نہ ہو سکے ہیں نہ کبھی ہو سکیں گے۔ پروپریتیز صاحب کی تحقیقات، اس قسم کے سہاروں کی محتاج
ہی نہیں، وہ حق کی آزادی کی پیغمبریں اور حق میں اذخیرہ زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی قوت
ہوتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نشر و اشاعت کے خارجی ذرائع کے فدائیں کے باوجود یہ نہیں،
بفضل ایزدی مخالفتوں کی چیزوں کو پریت ہوئی اپنا راستہ آپ بناتی اور آگے بڑھتی ہی جا رہی
ہیں۔ یہ پاکستان ہی میں نہیں، دنیا کے گوشے گوشے میں مقید ہو رہی ہیں۔ اس کے بر عکس، اس
ادارہ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے متعارف یہ تو لوگوں کو چیزیں ہیں معلوم تھا کہ وہ علم و تحقیق
سے عاری ہے، اب یہ حقیقت بھی ملکیت ہو گئی کہ وہ اخلاقی و شرافت سے بھی نہیں رامی ہے
یہ وہ ادارے ہیں جن پر لاکھوں روپیہ صرف کر کے قوم کو یہ امید دلاتی جاتی ہے کہ یہ اسلامی
تحقیقات کا اہم فرضیہ سریعہ دیں گے۔

یاد رکھئے! علمی تحقیق کے لئے دیانت تو لازمی مشرط ہوتی ہی ہے، لیکن جب آپ اس کے
ساتھ "اسلامی" کا اضافہ کر دیں گے تو اس میں تقدیس نہ کا عنصر بھی شامل ہو جائے گا۔
اور یہ خصوصیات اس ادارہ کے حیطہ تصور ہیں بھی نہیں آ سکتیں۔ غالباً میں طلوعِ اسلام اس
سے بکتب واقع ہیں۔

اپنی کتب کی فہرست مخصوص دار ہمیں فوراً بھیج دیں تاکہ انہیں ان۔۔۔ کتنا بچھے
میں شرکیب کیا جائے جس کی اس موقعہ پر اشاعت زیرِ خود ہے۔

ان سے اس قدر اصرار اور اس مفہوم کے بعد ہم نے انکار مناسب نہ کیا اور پرتوین صاحب کی
تین کتابیں ان کے پاس بھیج دیں جنہیں انہیں نے شکریہ کے ساتھ دصول کیا۔ اس کے بعد
ہمیں کچھ معلوم ہیں کہ وہاں کیا ہوا بجز مطر شرف الدین کے اس بیان کے، جس کا اقتباس اور پر دیا جا
رکھا ہے۔ انہوں نے آج تک اس باب میں ہمیں کچھ لکھتے کی اخلاقی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ اگر وہ ہمیں
کچھ لکھتے تو ہم ان سے مرفت اتنا پڑھتے کہ جب وہ ان کتابیں کے لئے ہم نے بار پار ورثت اور اصرار
کر رہے تھے تو کیا انہیں ان کے مصنفوں (پرتوین صاحب) کا تعاون حاصل نہیں تھا؟ کیا ان پر کتابیں
وہیں مولتے کے بعد یہ "دھی" نازل ہوتی کہ اس (مصنفت) کے متعلق علماء کے یہ خیالات ہیں۔ اس
لئے یہ کہا ہیں اس قابل نہیں کہ انہیں نماشیں میں رکھا جائے؟

اس واقعہ کے پس منظر میں کیا ہے؟ اس کے متعلق ہم تک مخفف روایات ہیں لیکن چونکہ
ہم یہ تحقیق بحایا ت پر عمل نہیں کیا کرتے اس لئے ہم اس باب میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ بجز اس
کے، کہ اُڑر اس ادارے کا یہ خیال ہے کہ اس مژمناک اہتمام سے انہوں نے پرتوین صاحب کی
کتابیں کو کچھ لفظیان پہلیا ہے تو انہیں اس کا افسوس ہونا چاہیے کہ وہ اس میں قطعاً کامیاب
نہ ہو سکے ہیں نہ کبھی ہو سکیں گے۔ پرتوین صاحب کی تحقیقات اس قسم کے سہاروں کی محتاج
ہیں نہیں، وہ حق کی آزاد کی پیامبر (ص) اور حق میں انجام دنے رہے اور آگے بڑھنے کی قوت
ہوتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ فشرد اشاعت کے خاتمی دراثت کے فقدان کے باوجود یہ نہ ہو،
بفضلِ ایزدی مخالفتوں کی چنانیں کو پریل مہٹی اپنا راستہ آپ بھاتی اور آگے بڑھتی جلی جا رہی
ہیں۔ یہ پاکستان ہی میں نہیں، دنیا کے گوشے گوشے میں عقول ہو رہی ہیں۔ اس کے بر عکس، اس
ادارہ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے متعارف یہ تو لوگوں کو پہنچنے ہی معلوم تھا کہ وہ علم و تحقیق
سے عاری ہے، اب یہ حقیقت بھی ملکشید ہو گئی کہ وہ اخلاق و شرافت سے بھی نہیں رامی ہے۔
یہ وہ ادارے ہیں جن پر لاکھوں روپیہ صرف کر کے قوم کو یہ امید دلاتی جاتی ہے کہ یہ اسلامی
تحقیقات کا ایہم فرائیہ سزا فاماں دیں گے۔

یاد رکھنے اعلیٰ تحقیق کے سلسلے دیانت تو لازمی شرط ہوتی ہی ہے، لیکن جب آپ اس کے
ساتھ "اسلامی" کا اضافہ کر دیں گے تو اس میں تقدیس نکل کا عنصر بھی شامل ہو جائے گا۔
اور یہ خصوصیات اس ادارہ کے حیطہ تصور ہیں کبھی نہیں آ سکتیں۔ تعالیٰ نے طلوعِ اسلام اس
سے بخوبی واقعہ ہیں۔

نقد و نظر

ہر۔ نام کتاب : پاکستان۔ ماہنیہ ملحوظات

(۱) صفات : بڑی تقطیع کے ۳۹۲ صفحات۔

ہر۔ مصنف : ڈاکٹر ناصر الدین احسان سامی حقی۔

ہر۔ شائع کردہ : دارالنفاہش - پوسٹ بجس نمبر ۴۳۷ بیروت۔

یہ عربی کتاب پاکستان، اس کے ماہنی اور زمانہ حال کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک تکلیف درحقیقت ہے کہ پاکستان کے قیام پر ایک چوتھائی صدی گزر جانے کے بعد بھی عرب زبان میں اس پر کوئی معیاری کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جماں سے عرب بجا اُن قیام پاکستان کے بارے میں صحیح حالات سے لیا رہا تریخ بے خبر رہتے۔ بھارت نے اس صورتِ حالات کا عربی چالاگی سے فائدہ اٹھایا اور پھر اپنے شناخت انہیں پہنچنے کے ذریعے ہمیں اپنے بھائیوں سے دور کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

سقوطِ ڈھاکہ جہاں ہمارے لئے ایک قومی الیے کی حیثیت رکھتا ہے، وہاں اس کے کچھ ایسے نامی
بھی نکلے جو ہمارے سلسلے کی حد تک مفید ثابت ہوتے۔ مثلاً ان میں سے ایک اہم نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے عرب بھائیوں نے ہندوستان کی اصلی جماعت دیکھ دی۔ کئی اہل علم عرب حضرات بررسوں تک برصغیر ہند پاک میں رہے اور یہاں کے حالات کا مطالعہ اپنی آنکھوں سے کرتے رہے، لیکن انہوں نے کبھی اس کا احساس نہیں بھی نہ کیا کہ انہیں ہندو کے عیاداں پر دیکھنے سے کاموں کرنا چاہیے۔ اور نہ ہی ہمارے سفارتی نمائندوں میں سے کوئی ایسی شخصیت سامنے آئی کہ ایسے اہل علم کو تلاش کر کے ان کا تعاون حاصل کیا جاتا لیکن بینکلہ دیش کے قیام کے سلسلے میں ہندوستان نے جو کارروائیاں کیں تو اس سے ان حضرات کو دھپکا سالاٹا اور ان کے قلم حکمت میں آگئے۔ انہیں میں سے ایک اہم شخصیت ڈاکٹر ناصر الدین احسان سامی حقی کی ہے۔ جو قیام پاکستان سے بھی بہت سچھے آخر سال تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں درس ہندریس کے فرائضِ الجامعہ میتھے رہے تھے۔ کتابہ زیرِ تھمو انہیں کی کادمشعل کا نتیجہ ہے۔ برصغیر کے قیام کے بعد ان انہیں یہ ملکع ماحصل تھے کہ وہ یہاں کا تھصیل و عدوہ کر سکیں۔ تاہم کتاب کی تیاری سے پہلے انہوں نے ایک وفعہ پھر اس علاقے کا تفصیل دورہ کیا۔ اور پہرا نہ سالی کے باوجودہ (اس وقت ان کی عمر کوٹی بیچھتر سال ہے) انہوں نے زیرِ تھمو کتابہ ایسی کاوش اور

نقد و نظر

پڑا۔ نام کتاب : پاکستان۔ ما حضیہا و حاضرہا۔

(۱) صفات : بڑی نقطی کے ۳۹۲ صفحات۔

(۲) مصنف : ڈاکٹر ناصر الدین احسان سامی حقی۔

(۳) شائع کردہ : دار النفاشرس۔ پوسٹ بجس نمبر ۴۳ بیروت۔

یہ عربی کتاب پاکستان، اس کے باطنی اور زمانہ حال کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک تحلیف دہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے قیام پر ایک چوتھائی صدی گزر چاہئے کے بعد بھی عرب زبان میں اس پر کوئی معیاری کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے عرب بھائی قیام پاکستان کے ہادیے میں صحن عالات سے زیادہ تر بے خبر رکھتے۔ بھارت نے اس صورتِ حالات کا بڑی چالاک سے خائدہ انہماں اور پھر اپنے شاہزادہ پر پیگنڈے کے ذریعے ہمیں اپنے بھائیوں سے دور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ستقطبِ ڈھاکہ جہاں ہمارے لئے ایک قومی ایسی کی حیثیت رکھتا ہے، وہاں اس کے کچھ ایسے نامی بھی نکلے جو ہمارے سلسلے کسی حد تک مفید ثابت ہوئے۔ مثلاً ان میں سے ایک اہم نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے عرب بھائیوں نے ہندو فرم کی اصلی جملہ دیکھ دی۔ کئی اہل علم عرب حضرات بررسوں تک رسیغیر ہندو پاک میں رہے اور پہاں کے حالات کا مطالعہ اپنی آنکھوں سے کرتے رہے، لیکن انہوں نے کبھی اس کا احساس نہیں کیا کہ انہیں ہندو کے عیاذانہ پر دیکھنے کے لامددہ پاک کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی ہمارے سفارتی نمائندوں میں سے کوئی ایسی شخصیت سامنے آئی کہ ایسے اہل علم کو تدریش کر کے ان کا تعامل حتمی کیا جاتا لیکن بنگلہ دیش کے قیام کے سلسلے میں ہندوستان نے جو کارروائیاں کیں تو اس سے ان حضرات کو دھچکا سالاگا اور ان کے قلم حرکت میں آگئے۔ انہیں میں سے ایک اہم شخصیت ڈاکٹر ناصر الدین احسان سامی حقی کی ہے۔ جو قیام پاکستان سے بھی بہت بہجھے آخر سال تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے رہے تھے۔ کتابہ زیرِ تھہو انہیں کو کاوشیں کا نتیجہ ہے۔ رسیغیر کے قیام کے بعد ان انہیں یہ ملکیت حاصل کئے کہ وہ پہاں کا تھصیل دوڑہ کر سکیں۔ تاہم کتاب کی تیاری سے پہلے انہوں نے ایک دفعہ پھر اس علاقے کا تفصیل دوڑہ کیا۔ اور پہزادہ سالی کے ہادیہ داس وقت ان کی غریبی کی (بچھتر سال ہے) انہوں نے زیرِ تھہو کتابہ ایسی کاوش اور

محنت نے سے تیار کی ہے کہ خود ہماری اپنی قومی زبان اُردو یا انگریزی میں ایسی معیاری کتاب ہماری نظر سے پہلی گزری۔

تیام پاکستان کی تحریک کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے مزدوری ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ ہندو میں ہے، اس کے بغیر اس تحریک کے صحیح معنول میں سمجھنے میں دقت عسوس ہوتی ہے۔ آج ہمارے نوجوانوں کے دل، میں تیام پاکستان کے بارے میں جو شک و شبہات اپنے رہتے ہیں تو اس کی بھی تبری وجوہ یہ ہے کہ اپنی نہ تو ہندو ذہنیت کا کوئی عملی تحریک ہے اور نہ بھی ان لوگوں نے جنہیں اس بارے میں کوئی عملی تحریک نکالی رہتا ہے۔ بھاں تک ہماری نگاہ ہماری پاوری کرنی ہے پر ویز صاحب دہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اس کی طرف توجہ دی اور ایک نہایت بند پایہ علمی تحقیقاتی مقام، ہندو کیا ہے؟ تحریر فرمایا۔ جس کی مخالفین تک نے تعریف کی۔ مذکورہ سماں حقیقی کا اس بارے میں مطالعہ بھی علی بینہادول ہے۔ اور ہندوستانی میں قیام کے دوران انہوں نے صرف یہ کہ ہندو مت کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا بلکہ ان کی مذہبی کتابوں، مثلاً منوسمرتی و عیزہ کاموپی زبان میں ترجمہ کیا۔ بھی وجہ ہے کہ کتابت زیر تبصرہ میں انہوں نے اس علمی انداز سے ہندو ذہنوں کی عکاسی کی ہے کہ پاکستان کی اہمیت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے۔ ایک کشادہ طرف مورخ کی طرح فاصل مصنفوں نے ہندو مت کے اچھے پہلوؤں، کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ لیکن چونکہ ہندو ذہنیت فقرت اور انسان دشمنی سے ترتیب پاتی ہے۔ اس لئے وہ ان چند خوبیوں کو بھی گھنادیتی ہے۔ مثلاً ہندو انسانوں کے مقابلے میں جانوروں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ بھاں تک کہ وہ گائے کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ اس سے بظاہر یہ تاثر قائم ہوتا ہے، اور ہندو پروپیگنڈہ برابر یہ تاثر قائم کر رہتا ہے کہ یہ بڑے بیٹے ہر دو رحم دل لوگ ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جو ایک گائے کے خون کے بدلتے سینکڑوں ہزاروں مسلسلوں کا خون بھالے سے دلیغ ہنیں کرتے۔ پھر مصنفوں اپنے تیام ہند کے دوران کے چند ذاتی واقعات بیان کرتے ہیں کہ کس طرح محض یہ افواہ اٹانے پر کہ فلاں کا دل میں مسلمانوں نے ایک گائے ذبح کر دی ہے۔ درجنوں مسلمانوں کو تباخ کر دیا جانا اور یہ سلسہ الحکامہ چاری رہتا۔ (ص ۱۹)

ہندو ذہنیت کو اجاگر کرنے کے بعد فاصل مصنفوں اپنے عرب بھائیوں کو بڑے علی دلائل سے یہ سمجھاتے ہیں کہ ہندو مت اور موجودہ بہادریت کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ منوسمرتی کے بہت سے اختیارات کا مرازش باطل کے عہد نامہ تدبیم کی عبارتوں سے کرتے ہیں اور اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ ایک مذہب کی تعلیمات و اسلامیات بگڑ کر دوسرے مذہب میں کیا سے کیا بن گئیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق تو ہندوؤں کے معبودوں یعنی "رام" اور "برہما" کے الفاظ بھی (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ (و ۱۳۲) اس کی تائید میں وہ لکھتے ہیں کہ مختلف اقوام میں ایک ہی مشہور لفظ کا بگڑی ہوئی شکلیں۔ اختیار کر لینا کوئی نئی بات نہیں۔ دور کیوں جائیئے۔ حضور نبی اکرمؐ کے اسم گرامی (محمد) کو لیجھے کہ اشتراک عقیدت کے باوجود مختلف مذاک میں اس کے تلفظ

محنت نے تیار کی ہے کہ خود ہماری اپنی قومی زبان انگریزی یا انگریزی میں ایسی معیاری کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری۔

قیام پاکستان کی تحریک کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پسند یہ معلوم کیا جائے کہ ہندو کیا ہے؟ اس کے بغیر اس تحریک کے عین محتواں میں سمجھنے میں دقت حسوس ہوتی ہے۔ آج ہمارے نوجوانوں کے دل و میں قیام پاکستان کے بارے میں جو شماں و شہزاد اپہر تے رہتے ہیں تو اس کی بھی ٹھی وجہ یہ ہے کہ انہیں مذکورہ ذہنیت کا کوئی عملی تجربہ ہے اور نہ ہی ان لوگوں نے جنہیں اس بارے میں کوئی عملی تجربہ نہ کی رہتا ہے۔ بھروسہ ہماری نگاہ ہماری یادوی کرنی ہے پروپریتی صاحب وہ قادر شخصیت ہیں جنہوں نے اس کی طرف توجہ دی اور ایک نہایت بہتر پایہ علمی تحقیقاتی مقام پرستی کیا ہے؟ تحریر فرمایا۔ جس کی عالمیین تکمیل نے تعریف کی۔ ڈاکٹر سمیت حقی کا اس بارے میں مطالعہ بھی علی پہلو دوں پر ہے۔ اور ہندوستان میں قیام کے دوسران انہوں نے نہ صرف یہ کہ ہندو مت کا بڑی گھری نظر سے مطالعہ کیا بلکہ ان کی مذہبی کتابوں، مثلاً منوسمرتی و میتھ کا عربی زبان میں لوحہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کتابت زیر تبصرہ میں انہوں نے اس علمی انداز سے ہندو ذہن کی عکاسی کی ہے کہ پاکستان کی اہمیت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے۔ ایک کشادہ طرف مورخ کی طرح فاضل مصنفوں نے ہندو مت کے اچھے پہلو فرز کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ لیکن چونکہ ہندو ذہنیت نقیت اور انسان دشمنی سے ترکیب پاتی ہے۔ اس لئے وہ ان چند خوبیوں کو بھی گھنادیتی ہے۔ مثلًا ہندو انسانوں کے مقابلے میں جانوروں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہاں بھی کہ وہ گائے کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ اس سے بظاہر یہ تاثر قائم ہوتا ہے اور ہندو یہ دیگریہ برا بر یہ تاثر قائم کر رہتا ہے کہ یہ بڑے بڑے هزار اور رحم دل لوگ ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جو ایک گائے کے خون کے بدے سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانے سے مدیغ نہیں کرتے۔ بھر مصنفوں اپنے قیام ہندو کے دوسران کے چند ذاتی واقعات بیان کرتے ہیں کہ کس طرح مخفی یا افواہ ادا نے پر کہ فلاں گاؤں میں مسلمانوں نے ایک گائے ذبح کر دی ہے، درجنوں مسلمانوں کو تباخ کر دیا جاتا اور یہ سلسہ لکھانہ چاری رہتا۔ (ص ۱۹)

ہندو ذہنیت کو اجاگر کرنے کے بعد فاضل مصنفوں کو بڑے علی دلائل سے یہ سمجھاتے ہیں کہ ہندو مت اور موجودہ یہودیت کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ منوسمرتی کے بہت سے اختیارات کا موازنہ باطل کے عہد نامہ قریم کی عبارتوں سے کرتے ہیں اور اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ ایک مذہب کی تخلیقات و اصول حالت بگڑ کر دوسرے مذہب میں کیا سے کیا بن گئیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق تو ہندوؤں کے معبدوں لیعنی "رام" اور "برہما" کے الفاظ بھی (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی بھرپور شکلیں ہیں۔ (و ۱۳) اس کی تائید میں وہ لکھتے ہیں کہ مختلف اقوام میں ایک ہی مشہور لفظ کا بھرپور شکلیں اختیار کر لینا کوئی نئی بات نہیں۔ دوسرے کیوں جائیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی (محمد) کو لیجھئ کہ اشتراک عقیدت کے باوجود مختلف مذاکہ ہیں اس کے تلفظ

مختلف ہیں۔ مثلاً بعض ممالک میں اسے ماہوفی لکھا جاتا ہے اور افریقیہ کی اکثر اقوام اس کا تمفظ ماماڈہ کرتے ہیں۔ (ص ۱۳۴)

نقیم بیگان کے سلسلے میں ہندوؤں نے جس قدر سور مچا ہا بھا اور کچھ عرصے بعد اس انتظامی فوجیتے کو بدلا کر ہی دم لایا تھا اس صنعت اس کی تفصیلات بیان کرتے ہیں کہ ہندوؤں کے اس طرز عمل نے عقل و خرد رکھنے والے مسلمانوں کی آنکھیں لکھل دیں۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچنے کے یہ قوم کمیجی مسلمانوں کا وجہ برداشت کرنے کو تیار نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی خطرہ کے پیش نظر مسلمانوں ہند نے مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی جس کی کوششوں سے پاکستانی وجود ہیں آگلہ۔ اس سلسلے میں المہوں نے مسلم لیگ کی کوششوں کی مرحلہ وار تفصیلات بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ قائد اعظم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ہندوؤں کے لئے پاکستان کو تسلیم کئے بغیر چارہ کا رہ نہ رہ۔ وہ وقتی طور پر تو اس کے قیام کے بارے میں راضی ہو گئے، لیکن انہیں یقین تھا کہ کچھ عرصے بعد یہ اسلامی ملک خود بخود ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب ان کی یہ امیدیں پوری نہ ہوئیں تو انہیں نے اس کے ختم کرنے کے لئے باقاعدہ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ ہندوستان کے سرکردہ بیڑوں نے پاکستان ختم کرنے کے بارے میں جو بیانات دیئے تھے مصنفوں نے ٹری نجت سے مختلف مقامات سے انہیں اکٹھا کر کے بھی کر دیا ہے۔ (ص ۱۳۵) جن سے یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان نے پاکستان پر تین جگہیں کیوں مٹھوٹیں۔ مشرقی پاکستان پر جلد ہی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس سلسلے میں وہ شیخ مجیب کو تو ایک معمری سامنہ وہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے جھوٹے پوچھنے کے اعداد و شمار کو، جو حسنی ہمیکل کی وساطت سے عرب پریس میں ثابت ہوئے تھے، ایسے علمی انداز سے رد کرتے ہیں کہ خود ہمارے ہیں جسیں کیا گیا۔ (ص ۱۳۶)

المیہ مشرقی پاکستان کے سلسلے میں ایک اور تیجھی حقیقت کو بھی سامنے لاتے ہیں کہ یہ صرف ہندو ذہنی ہی کا کارنامہ نہیں تھا بلکہ ساری اسلام دشمن قوتوں اس میں مشریک تھیں۔ مسلمانوں کا تو سب سے بڑا بھرم ہی یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کے دشمن ہر وقت اس ناک میں لگئے رہتے ہیں کہ موقع یہ تو انہیں ختم کر دیا جائے۔ (ص ۱۳۷)

چنانچہ ناصل معدنیت عربوں کی توجہ اس طرف دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہیں پر نہیں رک جائے گا۔ مگر پاکستان جو اسلام کا قلعہ ہے اگر خدا نجاست اسے کوئی نقصان ہےنا تو پھر عرب بھائی ہی ہندوستان کی زد سے محفوظ رہیں رہ سکیں گے، کیونکہ ہندوستان کی نظریں عربوں کے تسلی پر ہیں۔ اس مخالفت میں وہ عربوں کے لئے ہندو کو اسرائیل سے بھی زیادہ خطرناک ثابت کرتے ہیں۔ ہندوستان کی پاکستان سے خاصت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اس سلسلے میں اس کی راہ کا کاشٹا بنا ہوا ہے۔

بنگالہ دیش کے بارے میں ان کا نتیجہ نکر کرنا ممکن برحقیقت ہے کہ اگرچہ ہندوستان نے اپنی بدنیتی کی وجہ سے یہ سب کچھ پاکستان کو خصوصاً اور عالم اسلام کو عموماً نقصان پہنچانے کے لئے یہ

مختلف ہیں۔ مثلاً بعض ممالک میں اسے ماھوی لکھا جانا ہے اور افریقیہ کی اکثر اقوام اس کا ملقط مامادہ کرتے ہیں۔ (ص ۲۳)

تفصیل بیکار کے ساتھ میں ہندوؤں نے جس قدر شور مچا ہوا تھا اور کچھ عرضے بعد اس انسانی فنیلے کو بدلا کر ہی دم دیا تھا مصنف اس کی تفصیلات بیان کرتے ہیں کہ ہندو کے اس طرز عمل نے عقل و خود رکھنے والے مسلمانوں کی آنکھیں کھو دیں ہیں۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچیے کہ یہ قوم کبھی مسلمانوں کا وجود و برداشت کرنے کو تیار نہ ہو گی۔ چنانچہ اسی خطرہ کے پیش نظر مسلمانوں ہندو نے مسلم لگ کی بنیاد ٹوائی جس کی کوششیوں سے پاکستان وجود میں آگیا۔ اس ساتھ میں انہوں نے مسلم لگ کی کوششیوں کی مرحلہ وار تفصیلات بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ قائدِ اعظم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ہندوؤں کے لئے پاکستان کو تسلیم کرنے پر چارہ کار نہ رہا۔ وہ وقتی طور پر تو اس کے قیام کے بازے میں راضی ہو گئے، لیکن انہیں یقین تھا کہ کچھ عرصے بعد یہ اسلامی ملک خود بخود ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب ان کی بہ امیدیں پوری نہ ہوئیں تو انہوں نے اس کے ختم کرنے کے لئے باقاعدہ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ ہندوستان کے سرکردہ نیڈروں نے پاکستان ختم کرنے کے بالے میں جو بیانات دیئے تھے مصنف نے ہری نجت سے مختلف مقامات سے انہیں اکھڑا کر کے بیکھا کر دیا ہے۔ (ص ۲۴) جن سے یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان نے پاکستان پر تین چلیں کیوں مٹھوئیں۔ مشرقی پاکستان پر حملہ بھی اسی ساتھ کی ایک کڑی تھی۔ اس ساتھ میں وہ شیخ مجیب کو تو ایک نعمتی سا ہمہرو قرار دیئے ہیں۔ اور اس کے جھوٹ پر ورنگنڈسے کے اعداد و شمار کو، جو حسنیں ہمیکل کی دساطت سے عرب پرلسیں میں شائع ہوئے تھے، ایسے علمی انداز سے رد کرتے ہیں کہ خود ہمارے ہیں بھی ایسا نہیں کیا گیا۔ (ص ۲۵)

المیہ مشرقی پاکستان کے ساتھ میں ایک اور تیغ حقیقت کو بھی سامنے لاتے ہیں کہ یہ صرف ہندو ذہنی کا کام نہیں تھا بلکہ ساری اسلام دشمن قویں اس میں شریک تھیں۔ مسلمانوں کا ترسیب سے ٹرا جرم ہی یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کے دشمن ہر وقت اس تک میں لگئے رہتے ہیں کہ موقع ملے تو انہیں ختم کر دیا جائے۔ (ص ۲۶)

چنانچہ ناصل مصنفوں کی توجہ اس طرف دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہمیں پر نہیں رک چاہئے کہاں بھکر، پاکستان جو اسلام کا فلک ہے۔ اگر خدا نجاستہ اسے کوئی نقصان پہنچا تو پھر عرب بھائی بھی ہندوستان کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ ہندوستان کی نظریں عربوں کے تیل پر ہیں۔ اس مخالفت میں وہ عربوں کے لئے ہندو کو اسرائیل سے بھی زیادہ خطرناک ثابت کرتے ہیں۔ ہندوستان کی پاکستان سے معاہدہ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اس ساتھ میں اس کی راہ کا کاٹا ہنا ہوا ہے۔

بنگلہ دلیش کے بازے میں ان کا نتیجہ فکر کتنا مبینی بر حقیقت ہے کہ اگرچہ ہندوستان نے اپنی بذریتی کی وجہ سے یہ سب کچھ پاکستان کو خود میں اور عالم اسلام کو غیراً نقصان پہنچانے کے لئے کیا

ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا کہ ہمارے بھگالی بھائیوں کا جذبہ اسلام دعبارہ غالب آجائے گا۔ ان کے بعدوں کی آنکھوں سے تعصیب کے پردے ہٹ جائیں گے اور افتادہ اللہ تعالیٰ بندھو دیش ایک اسلامی طاقت بن کر اُجھرے گا جو ہندوستان کے تمام خواہیوں کو پریشان کر سکے رکھ دے گا۔ پاکستان اور بھلکہ دیش الکھڑے رہتے تو بلاشبہ یہ اسلام کی ایک بہت بڑی طاقت ہوتی، اور اس کا امکان موجود ہے، لیکن علیحدہ علیحدہ بھی یہ دو بڑی بڑی اسلامی مملکتیں ہوں گی۔ اور اگر یہاں کے لوگوں نے محنت سے کام کیا اور خلوص سے اسلام کو اپنایا تو یہ مجموعی طور پر ملت اسلامیہ کی طاقت پیش امنہ کا موجب بنسی گی۔ (دیکھ کر) ایسا کچھ انسوں نے بعض خوش فہمی کی بنا پر نہیں لکھا۔ علمی شاہد اور حقائق کی بناء پر کہا ہے۔

کتاب کی زبان صاف اور سادہ ہے۔ اس میں تمام عربی تحریروں کی طرح تکرار نہیں اور عربی سے معمول شدید رکھنے والا بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مختصر ہے کہ یہ کتاب بڑی معیاری ہے، اور عرب حاکم میں اس کی جتنی زیادہ اشاعت کی جاسکے وہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ساری امت کے لئے مجموعی طور پر مفید ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے وہ اداب جن میں ہندو مت اور ہندو ذہنیت کو واضح کیا گیا ہے مثلاً مَنْ هُمْ الْهَنَادُّةُ، مَا هُنَّ الْمَهْنَدُوْكَيَّةُ، الْمَهْنَدُوْكَيَّةُ وَالْمَوْدَبَةُ اور الْعَدَاءُ الْمَهْنَدُوْكَيَّ لِلْمُسْلِمِيْنَ کو علیکہ پہلوں کی شکل میں شائع کر کے ان کی وسیع یہائی پر اشاعت کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے میں اسے بڑی آسانی سے ایم لے عرب کے لفاظ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی نامہ سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ بھی ناک خود ہماری اپنی زبان میں بھی اس جیسی معیاری کتاب سامنے نہیں آئے۔

(رفتح اللہ شہیاب)

اعلان برائے پیشگی کھانہ داران

معاشر حدیث کا نازہہ ایڈیشن (۱۹۷۴ء) چھپ چکا ہے۔ جس کا اعلان گذشتہ اور حالیہ شمارے میں مسلسل آ رہا ہے۔ پیشگی کھانہ داران کو یہ کتاب بحسب معمول ارسال کی جائے گی۔ جن کھانہ داران کو اس کتاب کی ضرورت نہ ہو براؤ کرم ۲۰ مر جولائی ۱۹۷۶ء تک ادارہ فدا کو اپنے فنیصلے سے مطلع فرمادیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

۲۵/بی۔ گلبرگ عد۔ لاہور

ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا کہ ہمارے بھگالی بھائیوں کا جذبہ اسلام دوبارہ غالب آجائے گا۔ ان کے پیروں کی آنکھیں سے تعصیب کے پردے ہٹ جائیں گے اور افتادہ اللہ تعالیٰ بھگہ دیش ایک اسلامی ملک بن کر اُبھرے گا جو ہندوستان کے تمام خواہیں کو پریشان کر کے رکھ دے گا۔ پاکستان اور بھگہ دیش اکٹھے رہتے تو بلاشبہ یہ اسلام کی ایک بہت بڑی طاقت ہوتی، اور اس کا امکان موجود ہے، لیکن علیحدہ علیحدہ بھی یہ دو بڑی بڑی اسلامی مملکتیں ہوں گی۔ اور اگر یہاں کے لوگوں نے محنت سے کام کیا اور خلوص سے اسلام کو اپنایا تو یہ مجموعی طور پر ملت اسلامیہ کی طاقت یہی اضافہ کا موجب ہے گی۔ (ص ۲۳) ایسا کچھ ایہوں نے مخفی خوش فہمی کی ہنا پر نہیں تکھا۔ علمی شواہد اور حقائق کی بناء پر کھا ہے۔

کتاب کی زبان صاف اور سادہ ہے۔ اس میں تمام عربی تحریروں کی طرح تکرار نہیں اور عربی سے معمول شدید رکھنے والا بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب بڑی معیاری ہے، اور عرب ملک میں اس کی جتنی زیادہ اشاعت کی جاسکے وہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ساری امت کے لئے مجموعی طور پر مفید ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے وہ اباب جن میں ہندو ملت اور ہندو ذہنیت کو واضح کیا گیا ہے مثلاً من هم الہ نادلۃ ، ما ہی الہ بہن و کبیة ، البہن و کبیة والسودۃ اور العداء البہن و کی للہ مسلمین کو علیہ ر پغلوں کی شکل میں شائع کر کے ان کی وسیع یہاں پر اشاعت کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں اسے بڑی آسانی سے ایم ایسے عربی کے لفظاب میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی نامہ سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ ابھی تک خود ہماری اپنی زبان میں بھی اس جیسی معیاری کتاب سامنے نہیں آئی۔ (رقیع اللہ شعباب)

اعلان پرائے پیشگی کھانہ داران

مقام حديث کاتا زہ ایڈیشن (۱۹۷۴ء) چھپ چکا ہے۔ جس کا اعلان گذشتہ اور حالیہ شمارے میں مسلسل آ رہا ہے۔ پیشگی کھانہ داران کو یہ کتاب بلا حسب معمول ارسال کی جائے گی۔ جن کھانہ داران کو اس کتاب کی ضرورت نہ ہوں پر اور کرم ۲۰ روپیہ تک ادارہ ہذا کو اپنے فنیصلے سے مطلع فرمادیں۔

نااظم ادارہ طلوع اسلام

۲۵/بی۔ گلبرگ عل۔ لاہور

مقام حدیث

کاتا نہ اپنیش بہت سی ترمیمات اور اصناف کے ساتھ، شائع ہو جکا ہے۔

یہ وہ کتاب ہے:

● جس میں غہبیت وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ دین کے نظام میں حدیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔

● جس میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ غالباً اسلام نے کس طرح ہمارے احادیث کے مجموعوں میں، ایسی وضی روایات داخل کر دیں جن سے اسلام مسخ، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دار داندار ہو کر سائنس آئے۔
● جس میں اس مذاقش کا انکشاف کیا گیا ہے جس کی رو سے کوشش کی گئی کہ قرآنِ ریم پر مسلمانوں کا ایمان مستلزم ہو جائے۔

● جس میں مثال کے طور پر، ان "احادیث" کو پیش کیا گیا ہے جن کی نسبت حضورؐ کی طرف کی جاتی ہے۔ لیکن جن کے متعلق آپ ایک نگاہ میں کہ سکتے ہیں کہ یہ حضورؐ کے ارشادات نہیں ہو سکتے۔

● اس میں بتایا گیا ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعے کس طرح مرتب کئے گئے اور اور ان کے مرتب کرنے والے کون تھے؟

● اس کتاب کا مطالعہ، آپ کی معلومات میں بے حد اضافہ کریے گا اور آپ کو بے شمار کتابوں کے مطالعہ سے مستغنى کر دے گا۔

● اور اس کتاب سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ملکیتِ اسلام کو منکرِ حدیث مشہور کرنا، کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

● کتاب، عمدہ بکس بورڈ کورس کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ قیمت - ۱۰ روپیے

ملنے } (۱) ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - ۵۲ روپی - گلبرگ لاہور
کا } (۲) مکتبہ دین و دانش - چوک اردو بازار - لاہور
پتہ۔

مختصر حدیث

کا تازہ اپڈیشن بہت سی ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ، شائع ہو چکا ہے۔

یہ وہ کتاب ہے:

● جس میں نہایت وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ دین کے نظام میں حدیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔

● جس میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ مخالفین اسلام نے کس طرح ہمارے احادیث کے مجموعوں میں، الیسی وضعی روایات داخل کر دیں جن سے اسلام مسخ، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار داندار ہو کرہ سامنے آئے۔

● جس میں اس سازش کا انکشاف کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کوشش کی گئی کہ قرآن کریم پر مسلمانوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔

● جس میں مثال کے طور پر، ان "احادیث" کو پیش کیا گیا ہے جن کی نسبت حضور مسیح کی طرف کی حاجت ہے۔ لیکن جن کے متعلق آپ ایک نگاہ میں کہ سکتے ہیں کہ یہ حضور مسیح کے ارشادات نہیں ہو سکتے۔

● اس میں بتایا گیا ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعے کس طرح مرتب کئے گئے اور اور ان کے مرتب کرنے والے کون تھے؟

● اس کتاب کا مطالعہ، آپ کی معلومات میں بلے حد اضافہ کرے گا اور آپ کو بلے شمار کتابوں کے مطالعہ سے مستغنى کر دے گا۔

● اور اس کتاب سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ طلوی اسلام کو منکر حدیث مشہور کرنا، کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

کتاب، بعدہ بکس بورڈ کورس کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ قیمت - /۔ اردو پرے

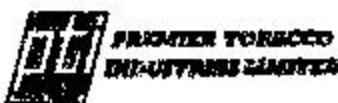
● (۱) ناظم ادارہ طلوی اسلام - ڈم / بی۔ گلبرگ ٹاؤن لاہور
کالا مارکت پرے دین و داشت - چوکِ اردو بازار - لاہور
پتہ۔

محترم پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

لاٹل پور ہر جمعہ ۹:۰۰ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) ۹۵ کوتولی روڈ (فون ۲۳۹۴) حیات سحر جوی کلینیک	لاہور میں ہر اتوار ۹ بجے صبح (فون ۸۰۸۰۰) ۲/۲۵ - گلبرگ عدیہ (زند پولیس ٹیشن)
کراچی ہر جمعہ ۹ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) دفتر شاہ سنبھالی روڈ اسلام دار القائد (فون ۲۱۰۳۶۸) ۱۰/۱ بی ناظم آباد عدیہ	ملکان ہر جمعہ بعد نماز مغرب (بذریعہ ٹیپ) دفتر شاہ سنبھالی روڈ پاک گیٹ (فون ۲۱-۲۱۰۳۶۸)
راولپنڈی ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) بی۔ ۱۴۶ لیاقت روڈ	گجرات ہر جمعہ بعد نماز جمکھ نیز روز اتوار ۹ بجے شام - بمقام ۱۱/۱ بی بھیر روڈ (بذریعہ ٹیپ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قُوَّاللَهُ حَقٌّ لَّتُقْتَلُهُ وَلَا تُمُوتُنَّ
 إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسَاءُونَ وَإِذْ أَعْصِمُوهُا بِحَبْلِ اللَّهِ
 جَمِيعًا وَلَا فَرَقْتُهُمْ

O ye who believe! Fear God as He should be feared,
 and die not except in a state of Islam. And hold fast,
 all together, by the Rope which God stretches out
 for you, and be not divided among yourselves.



محترم پروفسر صاحب کا درس قرآن کریم

لاہور میں ہر انوار م بچے صبح (فون ۸۰۸۰) لائل پور ہر جمعہ ۹:۳۰ نجے شام (بذریعہ ٹیپ) ۹۵ کوتوالی روڈ (فون ۲۳۹۳) جیات سرجری کلینیک	لاہور میں ہر انوار م بچے صبح (فون ۸۰۸۰) ۲۵/۱ بی۔ گلبرگ بولڈن (زند پولیس ٹیشن)
مدنیان ہر جمعہ بعد نماز مغرب (بذریعہ ٹیپ) کراچی ہر انوار م بچے صبح (بذریعہ ٹیپ) دفتر شاہ سخن بیرون پاک گیرٹ (فون ۲۱۰۳۶۸) ۱۰-۱/بی ناظم آباد عد	مدنیان ہر جمعہ بعد نماز مغرب (بذریعہ ٹیپ) دفتر شاہ سخن بیرون پاک گیرٹ (فون ۲۱۰۳۶۸) ۱۰-۱/بی ناظم آباد عد
گجرات ہر جمعہ بعد نماز جمکھ نیز ہر روز انوار م بچے راولپنڈی ہر جمعہ ۵ نجے شام (بذریعہ ٹیپ) شام - بیقا ۱۱/۱۲ بی بھیر روڈ (بذریعہ ٹیپ) بھی - ۱۶۶ لیاقت روڈ	گجرات ہر جمعہ بعد نماز جمکھ نیز ہر روز انوار م بچے راولپنڈی ہر جمعہ ۵ نجے شام (بذریعہ ٹیپ) شام - بیقا ۱۱/۱۲ بی بھیر روڈ (بذریعہ ٹیپ)

يَا يَهُا الَّذِينَ آمَنُوا لَقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقْتِلَهُ وَلَا تُؤْمِنُونَ
 إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَلَا يُحِصُّونَا بِحَبْلِ اللَّهِ
 جَمِيعًا وَلَا فَرَقُونَا.

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.



بِرْمَ مَذَاكِرٍ

(طلوع اسلام کنٹینشن سے ۱۹۶۵ء)

(قسط دوم)

بِرْمَ مَذَاكِرٍ کی تشاریر کی قسط اول، طلوع اسلام بابت جون ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ سو سری قسط اب پیش خدمت قارئین ہے۔ جیسا کہ قارئین کو معاف ہے بِرْمَ مَذَاكِرٍ بالعموم طلبیا اور طالبات پر مشتمل ہوتی ہے۔ شرکاء کا تعارف قسط اول میں کرایا جا چکا ہے۔

۴۔ بُلگُرْت سُلْطانہ

محترم ہاما جی..... اور معزز سامعین!
یوں تو زندگی گزارنے کو گذر ہی جاتی ہے مگر جب یہ حسین واقعات اور اتفاقات سے عجائب چوڑ تلبی خوشی کا باعث بنتی ہے اور زندگی، زندگی محسوس ہوتی ہے۔ آپ اس کو حسین اتفاق کہہ یجئے میکن یہ میرے لئے نہایت باعث شرف ہے کہ مجھے طلوع اسلام کی اس مقدس محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ اور جب موضوع گفتگو بھی ایسا خیال افزور ہو تو لگا ہیں دنیا کے علم کی لائنداد و سعتوں میں کھو جاتی ہیں۔ آج کا موضوع مذکورہ عالم اقبال کا یہ بصیرت افزور شعر ہے تو

بیقین حکم، حمل پیغم، محبت فاتح عالم

چہار زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شام و مشرق نے اپنے کلام بلاغت نظام میں جس ابتدی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی ایک جھلک اربابِ عقل و دانش کے لئے جنت بناگاہ سے کم نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے۔ آج سے صدیوں پہلے شبستان روزِ محنت اور کاؤش کے سہارے تاریخ کا درخشان بابِ نوم کے ہر دغیر ہبادوں کیلئے چشم ریا ہے۔ پیغم کو شششوں اور لگانار کاوشوں کے نتائج چاوداں ثابت ہوئے ہیں۔ زندگی کی غلب علم کے بغیر اندر ہی ہے۔ علم کی آبر و دستِ عمل میں اور عمل کی عنان اور بگ ڈود خلوص کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا شعر اتفاقی منازل کی تکمیل کے لئے تحقیق کیا گیا ہے۔ اقبال ایسی کوشش: ایسی

بزم مذکرہ

(طلوع اسلام کنونیشن سے ۱۹۶۵ء)

(قسط دوسم)

بزم مذکرہ کی تقاریر کی قسط اول، طلوع اسلام بابت جوں ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی تھی مذکوری قسط اب پیش خدمت قارئین ہے۔ جبکہ قارئین کو معلوم ہے بزم مذکرہ بالعموم طلبہ اور طالبات پر مشتمل ہوتی ہے۔ شرکاء کا تعارف قسط اول میں کرایا جا چکا ہے۔

۶۔ زنجیرت سلطانہ

محترم ہاما جی..... اور معزز سامعین!
یوں تو زندگی گزارنے کو گذر ہی جاتی ہے مگر جب یہ حسین واقعات اور اتفاقات سے عجائب چوتو تلبی نوشی کا باعث بلتی ہے اور زندگی، زندگی جھسوں ہوتی ہے۔ آپ اس کو حس اتفاق کہہ لیجئے میکن یہ میرے لئے نہایت باعث شرف ہے کہ مجھے طلوع اسلام کی اس مقدس محفل میں شرکت کا موقع ملا، اور جب موضع گفتگو بھی ایسا خیال افروزہ ہر تو نکاہیں دنیاۓ علم کی لائیداد و سعتوں میں کھو جاتی ہیں۔ آج کا موصوع مذکور عالمہ اقبالؒ کا یہ بصیرت افروز شعر ہے ہے
یقین حکم، حمل پیغم، محبت فاتح عالم

جہاونڈگان میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شامی مشرق نے اپنے کلام بلا خلت نظام میں جس ابدی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی ایک جدید ادبی عقل و دانش کے لئے جست نگاہ سے کم نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے۔ آج سے صدیوں پہلے شباد روزِ محنت اور کاؤش کے سہارے تاریخ کا درخشاں باب قوم کے ہر دلعزیز بہادر دل کیلئے چشم ریا ہے۔ پہم کوششوں اور نگاہار کاؤشوں کے نتائج چاوداں ناہت ہوتے ہیں۔ زندگی کی خلاب حرم کے بغیر اندر ہی ہے۔ علم کی آبر و دست عمل میں اور عمل کی سخنان اور بآگ ڈور خلوص کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا شعر اتفاقی منازل کی تکمیل کے لئے تحریق کیا گیا ہے۔ اقبالؒ ایسی کوشش؛ الیسی

جدوجہد اور ایسا عمل پیس چاہتے تھے جو انسان کو تقدیر اور زمانے سے شکست لانا نہ سکتا ہے بلکہ ایسی حکمت علی اختیار کرے کہ تقدیر کی لٹکر سے تقدیر مسکرا آئے۔ تقدیر خود قدموں میں جھک آئے۔ یہ سب زمانے سے مسلسل جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو تقدیر کے تابع کنا غلامانہ فطرت کا تعاضا ہے۔ آزادانہ فطرت کا تعاضا یہ ہے کہ انسان اپنے حالات خود تحملیں کرے۔ زندگی کے سچے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنا سیکھے۔ اس شتر مرع کی طرح نہیں جو شکاری کو دیکھ رہی میں مذہب چھپا لیتا ہے

ہوٹ مدنون دریا: زیر دریا تیرٹ والے

طمہانیےِ محج کے کھاتے لقہ بڑیں کر گوہ نکلے

آپ مسلمانوں کرنہ تو غلامانہ زندگی گزارنے کی تلقینیں کرتے ہیں اور نہ ہی بندولانہ اندازِ حیات کو پسند کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب مسلمان میدان کارروز میں ہو تو وہ بھروسے ہوئے شیر کی مانند ہمارتا ہے اور جب وہ اپنے دوستوں کی محفوظی میں بیٹھتا ہے تو ایک بیبل خوش نوا کی طرح چکلتا ہے۔ زندگی کی راہ میں ہر آنے والی رکاوٹ اور مشکل انسان کی ترقی اور عروج کا پیش خیس ہے۔ منزل کا نہ لہذا مزید آگے بڑھنے کا ذمہ ہے۔ ذمہ کا دجور انسان کے لئے ہاعثِ رحمت ہے۔ کبونکہ وہ عمل پر اسلام ہے۔

محترم باماجی!..... بخور کوں کا بھی جہادِ انسانیت میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ مردوں کا منگ
مجھے پڑتے دکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم جب بھی خلوص، قربانی، ایثار اور ہمت کی شمشیریں لے کر افغانی ہیں زندگی کے ہر مقام پر ہماری را ہیں روکی جاتی ہیں۔ طرح طرح سے حوصلے پست کئے جاتے ہیں۔
ہماری ہمت، خلوص کو بنادٹ، دھماکے سے تغیر کر کے جیسے کاخت بھی چھین لیا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ دنیا کب تک خورت کی عظیمت اور فریانیوں سے انکار کرنی رہے گی.....؟ کیا یہ ان عظیم ماؤں کو بھول سکتے ہیں جہوں نے اپنے جنگ کے لکڑوں کو صرف اس امید پر پرداں جڑھایا کہ وہ اپنی زندگیاں خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ تاریخ کے اوراق کبoul اب تک طارق بن زیاد۔ خالد بن دلیلہ اور محمد بن قاسم جیسے جہادوں کی ہبادیاں کی گردابی دیتے ہیں؟ اگر اس زمانے کی مثال بنتے ہیں تو کون بھول سکتا ہے ان جرأت کے فشاںیوں کوہ جن کی بہادری اور فریانیوں کی گواہی اب تک وہ زین دیتی ہے جہاں ان کے مقدس خعل بنتے رہتے۔ کیا ان عظیم اور مجاهدوں کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے والے شہیدوں اور مجاهدوں کی ماؤں کا کوئی درجہ نہیں.....؟ ایک سوت کا جہاد اس سے ٹھہر کر کیا ہوگا کہ اس کی تربیت دینے ہوئے بھے دوسروں کے لئے علی زندگی میں مشعل راہ بنیں۔

معزز سامعین! آج یہی یہ بڑے دھرے پوچھتی ہوں کہ کہاں پلی گئی وہ محبت جس کو "فالج عالم" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس نے ایک مردموں کو مجید کر دیا تھا کہ وہ عرف ایک بہن کی پکار بر مددگرت ہند کا نقشہ الٹ کر رکھ دیے۔ کہاں میں اب وہ شمشیریں، جن کی ہمک دک سے سندھ پر بھی نہیں بلکہ ساری دنیا پر اسلام کے پرچم بلند ہو گئے۔

محترم باماجی!..... آج جب ہمیں ایسی محبت جو قوم کو سدھا رہے، جو دشمن کو اپنا بنائے، نظر

جدوجہد اور ایسا عمل پھر چاہتے لفے جو انسان کو تقدیر اور زمانے سے شکست ماننا نہ سکتا ہے بلکہ ایسی حکمت علی اختیار کرے کہ تقدیر کی طرح سے تقدیر مسکرا آئے۔ تقدیر خود قدموں میں جھک آئے۔ یہ سب زمانے سے مسلسل جدو جہد کے بغیر ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو تقدیر کے تابع کرنا غلامانہ فطرت کا تعاضت ہے۔ آزادانہ فطرت کا تعاضت یہ ہے کہ انسان اپنے حالات خود تخلیق کرے۔ زندگی کے سیکھی خانے کا مردانہ وار مقابلہ کرنا سیکھے۔ اس شتر مرغ کی طرح نہیں جو شکاری کو دیکھ رہت میں مذہ چھپا لینا ہے ہوئے مدفن دریا۔ زیر دریا تیرتے دالے

طمہانیے سچ کے کھاتے لفے چڑیں کر گوہر نکلے

آپ مسلمانوں کرنہ تو ظالمانہ زندگی گزارنے کی تلقینی کرتے ہیں اور نہ ہی بندوانہ اندازِ حیات کو پسند کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب مسلمان میدان کار راز میں ہو تو وہ پھرے ہوئے شیر کی مانند ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوستوں کی محفوظ میں بیٹھتا ہے تو ایک بسیل خوش نوا کی طرح چھکتا ہے۔ زندگی کی راہ میں ہر آنے والی رکاوٹ اور مشکل انسان کی ترقی اور عروج کا پیش خیبر ہے۔ منزل کا نہ مٹا مزید آگے بڑھنے کا فدعیہ ہے۔ دشمن کا وجود انسان کے لئے ہمیٹ دھمکت ہے۔ کیونکہ وہ عمل پر اکساتا ہے۔

محترم ہماجی!..... عورتوں کا بھی جہاں انسانیت میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ مردوں کا مگر مجھے بڑے دکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم جب بھی خلوص، قربانی، ایثار اور ہمت کی شمشیریں لے کر اٹھتی ہیں زندگی کے ہر مقام پر ہماری راہیں روکی جاتی ہیں۔ طرح طرح سے حوصلے پست کئے جاتے ہیں۔ ہماری ہمت، خلوص کو بنادٹ، دخادرے سے تحریر کر کے جینے کا حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود دنیا کب تک سورت کی عظمت اور فرمانیوں سے انکار کرنی رہے گی!..... کہا یہ اُن عظیم ماؤں کو بھول سکتے ہیں جنہوں نے اپنے ہتھ کے مکڑوں کو صرف اس اسید پر پران چڑھایا کہ وہ اپنی زندگیاں خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ تاریخ کے اوراق کبوٹ اب تک طارق میں زیاد۔ خالد بن ولید اور محمد بن قاسم جیسے ہمایوں کی گواہی کی دیتے ہیں؟ اگر اس زمانے کی مثال دیتے ہیں تو کون پھلا سکتا ہے اُن جرأت کے ذشاوں کوہ جن کی بہادری اور فرمانیوں کی گواہی اب تک وہ زین دیتی ہے جہاں ان کے مقدس خمل نہیں بھے لختے۔ کیا اُن عظیم اور جہاد کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے والے شہیدوں اور مجاہدوں کی ماؤں کا کوئی درجہ نہیں!..... ایک سورت کا جہاد اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ اس کی تربیت دیئے ہوئے بچے دوسروں کے لئے علی زندگی یعنی مشعل راہ بنیں۔

معزز سامعین! آج یہی بڑے دکھ سے پوچھتی ہوں کہ کہاں چلی کئی وہ محبت جس کو "فاتح عالم" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس نے ایک مرد مومن کو تحریر کر دیا تھا کہ وہ صرف ایک بہن کی پکار پر حملہ کرنے کا نقشہ الٹ کر رکھ دے۔ کہاں ہیں اب وہ شمشیریں، جن کی ہمک دمک سے سندھ پر ہی نہیں بلکہ ساری دنیا پر اسلام کے پرچم بلند ہو گئے۔

محترم ہماجی!..... آج جب ہمیں ایسی محبت جو قوم کو سدھا رہے، جو دشمن کو اپنا بنائے، نظر

نہیں آتی تو زبان بے اختیار یکار اُمٹتی سے ہے

قدیریں وہ زندگی کی الہی کو حصہ گئیں

جانے کیاں وہ جذبہ حنکر و عمل گیا

یہ لوگ جن کی شمشیروں کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ ان کی بدولت دنیا کے ایک
خونے سے دوسرے کو نہ تھک فتح کے جھنڈے لہرا سکتے ہیں۔ ان میں کیاں ہے وہ جذبہ عمل اور خدا پر
یقین کامل.....؛ اب تو یہ شعر سن کر ایسا لگتا ہے کہ ہم سوال ہی کرتے رہ جائیں گے اور جواب
دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ کاش کہ اقبال اب زندہ ہوتے تو پس ان سے ان لوگوں کے متعلق ضرور
پوچھتی جن کا ذکر اور کوئا صرف لفظوں تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ میں پھر بھی اس جذبہ عمل اور محبت پر امامی رکھتی ہوں جس نے قبول
کی تقدیریں پہل دیں۔ اگر میں یہ سب کچھ نہ بھی یاد رکھوں تو یعنی اپنے رسول کریمؐ کی مثال اور
 ذات کو کیسے فراموش کر سکتی ہوں، جنہوں نے ہمیشہ پایا ہے طرف ہو یا میان جنگ، پیار، محبت، اور
عمل و فربانی کی تلوار مغلائے رکھی۔ دنیا کی ہر شمشیر ان کی اسی شمشیر سے بلکہ اگر طولی طریقہ سے رسول
کریمؐ کی مخالفت، کس نے نہیں کی..... کون ان کی مشکلات اور مصائب سے واقف نہیں
ہے مگر ہر مقام پر جہادی زندگی میں اہوں نے فتح و شفقت اپنے خلوص اور جذبہ ایمان سے
حائل کی۔ اور ایمان تو پیار ہی تب ہوتا ہے جب دل میں خدا کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ رسول کریمؐ
کی مسلسل بحد و جسد اور پیار و شفقت کی شمشیر یعنی سے ہمیشہ رکھنا ہی ہمارے لئے مشعل را ہے۔
آجکل جعلی محبت کے جلوے دکھا دکھا کر لوگ ہر روز نئے نئے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اور

ان پر شرمہ ہونے کی بجائے خیز محسوس کرتے ہیں۔ یہ کافی اور یونیورسٹیاں بک جو بخارہ تعلیمی ادارہ
ہی گلتے ہیں ایسی محبتوں کے انسانوں سے بھرے چڑے ہیں۔ جب تک یہاں غبتوں کو مظاہر سے
پیش نہ کئے جائیں کوئی ان اداروں میں قدم نہیں جما سکتا۔ اس تبعیح حقیقت سے کون انکار، بر سکتا
ہے۔ اب تو خلوص و پیار کے مفہوم ہی بدل چکے ہیں۔ عربی، فیش، بے باکی، دوسروں کا مذاق ٹوٹا
ایک روایت بن چکی ہے۔ ان کے زدیک سبھی انسانی ہمدردی اور خلوص کا معیار ہی یہی رہ گیا ہے۔
یہ لوگ محبول چکے ہیں کہ محبت تو عظمت کی اس معراج کا نام ہے جہاں بندے خدا سے ہم کلام ہوتے
ہے۔ اس نے چڑے سرکش اور باغیوں کے سر جھکا دیتے۔ ایسی فاتح محبت کا تو قرآن مجید یاد بار
تذکرہ کرتا ہے۔ اگر اس شفقت اور خلوص میں اتنی تاثیر نہ ہوئی تو جیسا کہ ہمیں تمثیل طور پر سمجھا یا گیا
ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناظران بندوں کو پیار گرا کر ختم کرنے کی اجازت ملک
کی تھی تو کیوں آپ نے فراؤ انکار کر دیا تھا..... کونسا بذبہ تباہ ہو سفروں کو وہمن سے یعنی شفقت
اور ہمدردی کرنے پر مجبور کر رہا تھا.....؛ یہ صدقہ محبت کا ہی بذبہ تھا جو حضور اکرمؐ کو اپنے
پروردگار سے تھا۔ اس کی ہر تخلیق سے تھا، وہ کیسے اپنے مجبور، مستکا کی کسی نبھی بتأئی ہوئی چز کی

مہیں آتی تو زبان پر اختیار بیکار اٹھتی ہے ۔

قدیریں وہ زندگی کی الہی کردھسرا گئیں

جانے کہاں وہ جذبہ منکرو عمل کیا؟

یہ لوگ جن کی شمشیروں کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ ان کی بدعت دنیا کے ایک کوئی ہے دوسرے کوئی نہ فتح کے جھنڈے لہرا سکتے ہیں۔ ان میں کہاں ہے وہ جذبہ عمل اور خدا پر یقین کامل ۔ ۔ ۔ اب تو یہ شعر حقیقی کہ ایسا لگتا ہے کہ ہم سوال ہی کرتے رہ جائیں گے اور جواب دینے والا کوئی نہ ہو گا۔ کاش کہ اقبال اب زندہ ہوتے تو پس ان سے ان لوگوں کے متعلق ضرور پوچھتی جس کا ذکر اور صرف لفظوں تک ہی محمد وہ ہو کر رہ گیا ہے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ہیں پھر بھی اس جذبہ عمل اور محبت پر اعلیٰ رکھتی ہوں جس نے قبیل کی تقدیریں بدل دیں۔ اگر میں یہ سب کچھ نہ بھی پیدا کھوں تو یہی اپنے رسولِ کریمؐ کی مثال اور ذات کو کیسے فراموش کر سکتی ہوں، جنہوں نے بخششہ پیا ہے گھر ہو یا میدانِ جنگ، پیار، محبت، اور عمل و فربانی کی تلوارِ حق کے لئے رکھی۔ دنیا کی پر شمشیر ان کی اسی شمشیر سے ٹکرا کر لوٹی۔ ہمارے رسولؐ کی مخالفت، کس کس نے مہیں کی ۔ ۔ ۔ کون ان کی مشکلات اور مصائب سے واقف نہیں ہے مگر ہر مقام پر جہادی زندگی میں الہوں نے فتح و لفڑت صرف اپنے خلوص اور جذبہ ایمان سے حاصل کی۔ اور ایمان تو پیدا ہی تب ہوتا ہے جب دل میں خدا کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ رسولِ کریمؐ کی مسلسل جدوجہد اور پیار و شفقت کی شمشیر کریمیت سے لگائے رکھنا ہی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ آج کل جعلی محبت کے جلوے دکھا کر لوگ ہر روز نئے نئے کارنامے انعام دے رہے ہیں۔ اور ان پر شرمدہ ہونے کی بجائے خنز محسوس کرتے ہیں۔ یہ کافی اور یونیورسٹیاں مگر جو بظاہر تعییبی ادا کر رہیں انسانوں کے افسانوں سے بھرے چڑے ہیں۔ جب تک یہاں خبتوں کے مظاہر سے پیش نہ کئے جائیں کوئی ان اداروں میں قدم نہیں جھا سکتا۔ اس تلحیح حقيقة سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اب تو خلوص و پیار کے معفوم ہی پول چکے ہیں۔ عربانی، فیشن، بے باکی، دوسروں کا مذاق ٹڑانا ایک روایت بن چکی ہے۔ ان کے زدیک سچی انسانی ہمدردی اور خلوص کا معیار ہی یہی رہ گیا ہے۔ یہ لوگ مجھل چکے ہیں کہ محبت تو عظمت کی اس معراج کا نام ہے جہاں بندے خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اس نے بڑے بڑے سرکش اور باغیوں کے سر جھکا دیئے۔ ایسی فاتح محبت کا تو قرآن مجید بار بار تذکرہ کرتا ہے۔ اگر اس شفقت اور خلوص میں اتنی تاثیر نہ ہوتی تو جیسا کہ ہمیں تخلی طور پر سمجھایا گیا ہے جب حضور اکرم صریح حضرت جبرائل علیہ السلام نے نافرمان بندوں کو پہاڑ کر اکر ختم کرنے کی اجازت طلب کی تھی تو کیوں آپ نے فرما انکار کر دیا تھا ۔ ۔ ۔ کونسا جذبہ تھا جو سخوں کو دشمن سے بھی شفقت اور ہمدردی کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ یہ صرف محبت کا ہی جذبہ تھا جو حضور اکرمؐ کو اپنے پروردگار سے تھا۔ اس کی ہر تخلیق سے تھا۔ وہ کہیے اپنیا مجبور، مستقی کی کسی نبی بنائی ہوئی جز کی

بربادی اور تباہی گواہا کر دیتے۔ آج ہم ہیں کہ اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ سے اپنی محبت اور عقیدت نبھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں مگر ہم اس کا عملی ثبوت کیا دیتے ہیں۔ ہم لوگ بے جان تو کیا اس پاک ذات کی ہماندار مختلف سے دو بول ہمدردی کے کہنا بھی اپنی شان کے تکلف سمجھتے ہیں۔ ہر فرد ایک دوسرے کی بربادی چاہتا ہے۔۔۔ نفرت کی کھینچی خوب ترقی کر رہی ہے۔ راہوں سے جھٹکائے والے تو بہت ہیں مگر راہ و کھانے والا شاید ہی کوئی ہو۔ جب ہم ایک معمار کی تخلیق سے اس قدر ہمارا سلوک اور نفرت کرتے ہیں تو کس طرح اس سے محبت کرنے یا دعاوار ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔

خدا کے بندے تھے تو ہیں بزراروں، ببروں میں پھرتے ہیں مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا!

برباد فویں سلسیلِ محنت اور کادش کو اپنا شعار بناتی ہیں۔ آئی ہم بھی اس قدر غفت سے نکل کر میدانِ حمل میں آئیں۔ اسلام اور انسانیت کا بیل بالا اسی صورت میں ہوگا جب انسانی ہمدردی اور بارہمی تنظیم کے حق میں ہر فرد ہو گا۔ ہر اسلامی ملک ہو گا۔ اگر ہم بھی یہ کر لیں مسلسلِ محنت کا اور جذبہ بپیدا کر لیں انسانیت کو سدھا رہتے کا، تو وہ وقت دوڑ نہیں ہو گا جب ہم اپنا گھوپیا ہوا دعاوار اور سکون حاصل کر لیں گے۔ شرم و ندامت اور شکست کے جن جذبے نے آج ہمارے سر جھکائے ہوئے ہیں انشا اللہ ہم اس پر غالب آجائیں گے۔

غصے کھل کر جو بھول بنتے ہیں۔ زندگی کے "رسول" بنتے ہیں

عزم کی تابناک کرلوں سے۔ زندگی کے اصول بنتے ہیں!

پرو

۲۔ ابرارِ احمد

محترمہ صدر صاحبہ و ممتاز سامعین!

ملائکہ اقبال کے اس شریں تین بین بینا وی حقیقتیں کا ذکر آگیا ہے اور وہ تینیں کی تینوں عالمگیر صداقتوں کی پایا برادر ہمارے لئے ہی نہیں، فرع انسان کے لئے قندیل راہ ہیں۔۔۔ یقینی حکم۔ حمل سیم اور ان کے ساتھ عالمگیر محبت۔ ان کے سلسلہ ہوئے میں کے انکار ہو سکتا ہے۔ ہم ان کے حق میں دلائل پیش کر سکتے ہیں لیکن ان سے انکار نہیں کر سکتے۔ میں نے اس وقت تک جتنی تفاسیر سنی ہیں ان میں ان مسلمات کی تائید میں دلائل ہی دیجئے گئے۔ یہ بھی اپنے مقام پر اہمیت رکھتے ہیں۔ نیکی سوال یہ ہے کہ کیا ہاست مسلمات اور ان کی تائید میں دلائل و شواہد تک ہی دہنی چاہیے یا اس سلسلے کو اگر بھی بڑھنا چاہیے۔ کھلے لکھے الفاظ میں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مثلاً عمل ہمیں کے حق میں دلائل دیکھیں مطمئن ہو جانا چاہیئے کہ ہم نے بہت بڑا کاندھہ سراخ کام دیے دیا ہے یا عملی ہمیں کوئی مثال بھی پیش

بربادی اور تباہی گوارا کر لیتے۔ آج ہم ہیں کہ اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ سے اپنی محبت اور عقیدت بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں مگر ہم اس کا عملی ثبوت کیا دیتے ہیں۔ ہم لوگ بے جان تو کیا اُس پاک ذات کی ہماندار مخلوق سے دو بول ہمدردی کے کہنا بھی اپنی شان کے مقابل سمجھتے ہیں۔ ہر فرد ایک دوسرے کی بربادی چاہتا ہے۔۔۔ نفرت کی کھیتی خوب ترقی کر رہی ہے۔ راموں سے بھر کا نہ والے تو بہت ہیں مگر راہ و کھانے والا شاید ہی کوئی ہو۔ جب ہم ایک معمار کی تخلیق سے اس قدر بُرا سلوک اور نفرت کرتے ہیں تو کس طرح اس سے محبت کرنے یا ففادار ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔۔۔

خدا کے بندے سے تو ہیں بزرگوں، بنوں میں پھر لئے ہیں مارے
میں اُس کا بندہ بنوں تھا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا!

برباد غوہ میں مسلسل محنت اور کادش کو اپنا شعار بناتی ہیں۔ آئیہ ہم بھی اس قرآنیت سے بدل کر میدانِ حمل میں آئیں۔ اسلام اور انسانیت کا بول بالا اسی صورت میں ہو گا جب انسانی ہمدردی اور یاہمی تنقیم کے حق میں ہر فرد ہو گا۔ ہر اسلامی ملک ہو گا۔ اگر ہم بھی یہ کر لیں مسلسل محنت کا اور جذبہ پیدا کر لیں انسانیت کو سدھارت کا، تو وہ وقت دور نہیں ہو گا جب ہم اپنا کھو یا ہوا دعاوی اور سکون حاصل کریں گے۔ شرم و ندامت اور شکست کے جس جذبے نے آج ہمارے سر جو کامے ہوئے ہیں انشا اللہ ہم اس پر غالب آ جائیں گے۔

غچھے کھل کر جو چھوٹے ہیں۔ زندگی کے "دول" ہنچتے ہیں
عزم کی تابناک کرلوں سے۔ زندگی کے اصول ہنچتے ہیں!

پہنچ

۷۔ ابرار احمد

محترمہ صدر صاحبہ و مضریہ سامعین!

ملائکہ افہال کے اس شر میں بینا وی حقیقتوں کا ذکر آگیا ہے۔ اور وہ نبیوں کی نسبتوں عالمگیر صداقتوں کی پیارہ اور ہمارے لئے ہی نہیں، اُنہوں انسان کے لئے تقدیل راہ ہیں۔۔۔ یقینی حکم۔ عمل ہی ہم اور ان کے ساتھ عالمگیر محبت۔ ان کے مسلم ہونے میں کے انکار ہو سکتا ہے۔ ہم ان کے حق میں دلائل پیش کر سکتے ہیں لیکن ان سے انکار نہیں کر سکتے۔ میں نے اس وقت تک چندی تعداد پر سنی ہیں اُن میں ان مسلمات کی تائید میں دلائل ہی دیئے گئے۔ یہ بھی اپنے مقام پر اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یا مسلمات اور ان کی تائید میں دلائل و شواہد تک ہی رہنی چاہئے یا اس سطح پر کوئی بھی بڑھنا چاہئے۔ کوئی بڑھے الفاظ میں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مثلاً عمل پیغمبر کے حق میں دلائل دیکھیں مطمئن ہو جانا چاہئے کہ ہم سننے بہت بڑا کتاب نامہ سر انجام دیتے دیا ہے یا عمل ہی ہم کی کوئی مثال بھی پیش

کرنی پڑا ہے؟ باہر کی دنیا کو چھوڑ کر میں حمدہ اپنے حلقت کی بات کرنا چاہتا ہوں اور اپنے احباب سے محدثت کے بعد اپسہا کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ان عام روش یہ ہو گئی ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ ہم ان مسلمات پر عمل کیوں نہیں کرتے تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ان پر عمل اس وقت ممکن ہو گا جب یہاں اسلامی نظام قائم ہو جائے گا۔ اس میں شہید نہیں کہ بہت سے اجتماعی امور ایسے ہیں جن پر عمل اسلامی نظام کے اندر ہی ممکن ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان مسلمات میں کوئی بھی ایسے نہیں جن پر ہم بحالات موجودہ عمل پر ہو سکیں۔

محترم ہاباچی نے اسی کنزیشن کے استقبالیہ میں اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور بتایا ہے کہ کتنے مسلمات ایسے ہیں جن پر ہم الغادی طور پر آج بھی عمل کر سکتے ہیں۔ میں اس وقت اس کی ایک عملی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مثال ہے ایک نوجوان طالب علم کی جس سے میں ذاتی طور پر واقع ہوں۔ طلوعِ اسلام کے لٹریجر کے مطالعہ اور ہاباچی کے درسی قرآن کو خود و نکر سے سننے کے بعد اسے یقین ملکم ہو گیا کہ قرآنی نظام نظام کے قیام کے لئے مزدوروں نے کم کرو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اس یقین ملکم کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی امکانی حد تک اپس کروں گا اور مسلسل کرنا رہوں گا، خواہ حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ اس نے اس کے لئے کیا کچھ کیا ہے ذرا عذر سے سنتے۔

صفت جنوری کی ایک تاریک مظہری رات۔ ایک سنان سی محلی ہیں سیستانیان بھائی برفیل ہوا۔ ایک تلگ سامنکا۔ رات کا چھلا پھر ہے کہ جب جوانی کے نامے کی نیند اپنے میں شباب پر ہوتی ہے کہ پانچ بجے ایک نوجوان قوتِ ارادی کے الارم سے اٹھتا ہے۔ سویٹر، جدایں، ٹوپی، گلوبرنڈ، اور کوٹ پہنتا ہے اور سائیکل اٹھاتا ہے۔

اور پھر ایک وسیع و عریض سڑک پر ایک سائیکل ایک سمت کو نیزی سے بھاگی جل جا رہی ہوتی ہے۔ اس شاہراہ پر اس وقت اور کوئی نہیں جا رہا ہوتا۔ وہ اکیلا ہوتا ہے۔ اذانیں ہنہا شروع ہو جاتی ہیں، سائیکل کے پہنچے تیز تیز چلتے، شہر کے مشرقی حصہ کے محلہ، محمد آباد، کے آخری حصہ والی مسجد پر چا رکتے ہیں۔ مسجد کے اندر چند نفوس ہیں اور وہ بھی سارے ہی تقریباً بولٹھے، اوھی طور اور غلاف غما چاروں تکے اندر لپٹتے لپٹائے ہاتھ پاؤں سکیڑتے۔ فقط انکی صفت کے سرے پر۔ اور بھی صفت کے چاروں تکے دو تین نوجوان، چھروں کی معنویت سے طالب علم دکھائی دینے والے، بیٹھے ہوئے ہیں۔ نمازِ جمعر کی وجہ میں، دو تین نوجوان، نوجوانوں سے تعارف حاصل کرتا ہے۔

جماعت ہوتی ہے۔ نمازی باہر نکلتے ہیں تو وہ نوجوان ان دو تین نوجوانوں سے تعارف حاصل کرتا ہے۔

گھروں کے پیتے نوٹ کرتا ہے اندر پھر۔۔۔ تین ہفتھوں کے بعد، "انسان نے کیا سوچا" میں بحومطالعہ نظر آتے ہیں۔

تینوں جلدیں اور "فرودسِ گم گشہ" پڑھنے کے بعد، "انسان نے کیا سوچا" میں بحومطالعہ نظر آتے ہیں۔

بچھلے ایک حصے سے قرآن کے پیغام کا یہ مبلغ ہر روز، کبھی اس مسجد میں دو تین روز مسلسل جانے کے

کرنی پڑا ہے ؎ باہر کی دنیا کو چھوڑ کر میں خود اپنے حلقے کی بات کرنا چاہتا ہوں اور اپنے احباب سے معتدرست کے بعد اپس کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اسے اس عالمِ دُوش یہ ہو گئی ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ تم ان مسلمات پر عمل کیوں نہیں کرتے تو اس کے حجاب میں کہا جاتا ہے کہ ان پر عمل اس وقت ممکن ہو گا جب یہاں اسلامی نظام قائم ہو جائے گا۔ اس میں شہپر نہیں کہ بہت سے اجتماعی امور ایسے ہیں جن پر عمل اسلامی نظام لے اندھہ ہی ممکن ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان مسلمات میں کوئی بھی ایسے نہیں جن پر ہم بحالاتِ موجودہ عمل پر امید نہیں۔

محترم باباجی نے اسی کنفرانس کے استقبالیہ میں اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور بتایا ہے کہ کتنے مسلمات ایسے ہیں جن پر ہم الفراودی طور پر آج بھی عمل کر سکتے ہیں۔ میں اس وقت، اس کی ایک علیٰ مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مثال ہے ایک نوجوان طالب علم کی جس سے میں ذاتی طور پر ماقف ہوں۔ طہوارع اسلام کے لٹریچر کے مطالعہ اور باباجی کے درسِ قرآن کو غور و نکر سے سنبھل کے بعد اسے یقینِ محکم ہدہ گیا کہ قرآنی نظام نظام کے قیام کے لئے مزودی ہے کہ اس مذکور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا جائے گا۔ اس یقینِ محکم کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی امکانی حد تک ایسا کروں گا اور مسلسل کرنا رہوں گا، خواہ حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ اس نے اس کے لئے کیا کچھ کیا اسے ذرا غور سے سنبھل۔

نصف جنوری کی ایک تاریک مطہری رات۔ ایک سنسان سی محلی میں سیٹیاں بھائی برفیل ہوا۔ ایک شک سامکان۔ رات کا ہچھلا پھر ہے کہ جب جوانی کے زمانے کی نیند اپنے عین شباب پر ہوتی ہے کہ پالنچ بھے ایک نوجوان قوتِ ارادتی کے الارم سے اٹھتا ہے۔ سویٹر، جاہیں، ٹوپی، گلوبرند، اور کوٹ پہنتا ہے اور سائیکل اٹھاتا ہے۔

اور پھر ایک وسیع و عریض مرٹک پر ایک سائیکل ایک سمت کو تیزی سے بھائی چل جا رہی ہوتی ہے۔ اس شاہراہ پر اس وقت اور کوئی نہیں جا رہا ہوتا۔ وہ اکیلا ہوتا ہے۔ اذانیں ہونا شروع ہو جاتا ہی، سائیکل کے پہنچے تیز تیز چلتے، شہر کے مشرقی حصہ کے محلہ، محمد آباد، کے آخری حصہ والی مسجد ہے جا رکتے ہیں۔ مسجد کے اندر چند لفوس ہیں اور وہ بھی سارے ہی تقریباً بوڑھے، اوچھیر عمر اور غلاف نما چادروں کے اندر لپٹتے لپٹاتے ہاتھ پاؤں سکریتے۔ فقط اگلی صفت کے سرے پر۔ اور بھلی صفت کے وسط میں، دو تین نوجوان، چہروں کی معنویت سے طالب علم دکھائی دیتے ہوئے، بیٹھے ہوئے ہیں۔ نمازِ جمعری جاعت ہوتی ہے۔ نمازی باہر نکلتے ہیں تو وہ نوجوان ان دو تین نوجوانوں سے تعارف حاصل کرتا ہے۔ گھروں کے پتے نوٹ کرتا ہے اور پھر۔۔۔ تین ہفتے کے بعد وہی نوجوان، "مسلم" کے نام خطرط" کی تینوں جملیں اور "فرودسِ حکم گشته" پڑھنے کے بعد، "انسان نے کیا سوچا" میں بحومطالعہ نظر آتے ہیں۔ پچھلے ایک عرصے سے قرآن کے پیغام کا یہ مبلغہ ہر روز، کبھی اس مسجد میں دو تین روز مسلسل جانے کے

بعد، کسی بھی مسجد میں نماز ادا کرنے جانا ہے۔ پہلے وہ روزانہ اپنے محدث ہی کی مسجد میں نماز کے لئے جاتا تھا۔ اور ایسے میں کبھی ایک مسجد سے چار پانچ قلوپ سلیم نکل آتے، کبھی تین چار مساجد سے ایک بھی نہیں ہے۔ اس نوجوان کو تبلیغِ قرآن کی اس شکل پر، تابعِ خیری کا یقین، اور اس کے لئے مسئلہ کام نئے رکھنے نہ دیا۔

گرمیوں کی ایک پسینہ پسینہ شام۔ اور اس دھندر کے میں، سائیکل کے دو پہنچے کسی طرف لپک رہے ہیں اور پھر آج کے اخبار کے کالم، اخلاقیات و اعلانات میں شائع ہونے والی خبر کا مقام آپسیا ہے۔ ایک علمی ادبی محفل منعقد ہوئی ٹھہری ہے۔ ہمیشہ کی طرح، بغیر کسی یقین پر ہمچنان دھرانی دھار تقریروں — جن میں انسانی انا، خالی خوبی علمی رعب کے سہارے، اذلی رقص کو دھرانی ہے — پر منصب مددگر، یہ محفل ختم ہوئی ہے۔ والش و بیش کے علمی فارماہر نکلتے ہیں۔ نوجوان — محفل سے آج کے لئے منتخب کے ہوتے، دو تین نوجوانوں سے تعارف حاصل کر رہا ہے۔ وہ پہلے ایک عرب سے شہر کے آٹھ بڑے علمی، ادبی محققوں میں سے پانچ کے ہفتہواری اجلاسوں میں شرکت چکا تھا۔ اور ان آٹھ دس معروف علمی، ادبی مرکزوں کے بعد محلی محلوں میں واقع ایسی لائیڈ اگنیام نشست گاہیں اس کے پیش نظر تھیں۔

شہر کے جزو دینی دارالعلوم کے بعد، آج وہ نوجوان، دارالعلوم جامعہ کے صدر دوڑا زے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ احاطے میں سے گزر کر طلباء کے اقامتی جگہ کی طرف چھتے ہوئے، اُس کے پاؤں نکلے خشک، زرد پتے مسل کر چھتے تو اُس نے اوپر دیکھا۔ سامنے برگ کا ایک پرانا سا درخت کھڑا تھا۔ شاخوں سے چھٹے ہوئے خشک، زرد، خزان رسیدہ پتے، اور اُن کے درمیان، خال جھانکتے سبزی اٹلی پتے۔ اس نے ایک بھر جھری سی ل اور لمبے دلگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ طلباء کے درمیان بیٹھا، مومن عاتِ دین پر نیا ولہ بھیلات کر رہا تھا۔ پھر اٹھتے ہوئے وہ درجہ نالویہ اور خاصل کے درجے کے تینی طلباء سے سیم کے نام۔ "مقامِ حدیث" اور "معراجِ انسانیت" کی جدیں دالیں لے رہا تھا اور ان کی حیگہ دو تین اور کہاں دے رہا تھا۔

برسات کی ایک بھری ہوئی شام۔ اور اس وقت پونڈا باندی پھر تیز ہو گئی تھی۔ پچھلے منگل کی طرح سوچ ہستہاں کے میں گیٹ سے ایک سائیکل تیزی سے اندر داخل ہو رہی ہے۔ اور پھر وہ نوجوان سائیکل کے کیریٹ سے کتابیں اٹھا کر تیز تیز قدموں سے چل رہا ہے اور تھوڑی دیر بعد سر جیکل دارڑ کے اس مریض کے پاس بیٹھا ہوا پایا جاتا ہے جس کی مالکیں پچھلے چار ماہ سے سطینہ سے بندھی ٹرمی ہیں۔

بعد، کسی نئی مسجد میں نماز ادا کرنے جانا ہے۔ پہلے وہ روزانہ اپنے محلہ تھی کی مسجد میں نماز کے لئے جاتا تھا۔ اور ایسے میں کبھی ایک مسجد سے چار پانچ قلوپ سیم نکل آتے، کبھی تین چار مساجد سے ایک بھی مالیہ بہ قرآن نہ ہوا۔ مگر اس نوجوان کو تبلیغِ قرآن کی اس شکل پر، نتائجِ خیزی کا یقین، اور اس کے لئے مسلسل کام لئے رکھنے مدد دیا۔

گرمیوں کی ایک پسینہ پسینہ شام۔ اور اس ڈھلنی شام کے دھندر کے میں، سائیکل کے دو پہنچے کسی طرف لپک رہے ہیں اور پھر آج کے اخبار کے کالم، اطلاعات و اعلانات میں شائع ہونے والی نہ کامقاوم آپس پہنچا ہے۔ ایک علمی ادبی محفل منعقد ہوئی ٹھہری ہے۔ ہمیشہ کی طرح، بغیر کسی یقین پر پہنچے، دھوکاں دھار لغفریند۔ جن میں انسانی انا، خالی خولی علمی رعب کے سہارے، اذلی رقص کو دھراتی ہے۔ پر منتخ مہ کر، یہ محفل ختم ہوتی ہے۔ والش و بینش کے علمبردار اپر نکلتے ہیں۔ نوجوان۔ محفل سے آج کے لئے منتخب کے ہوئے، دو تین نوجوانوں سے تعارف حاصل کر رہا ہے۔ وہ پہنچے ایک عرصے سے شہر کے آٹھ بڑے ملی، ادبی ملھوں میں سے پانچ کے پہنچتہ داری اجل سول میں شرکت چکا تھا۔ اور ان آٹھ دس معروف علمی، ادبی مراکز کے بعد کلی محلوں میں واقع ایسی لائعتاد گمنام نشدت گاہیں اس کے پیش نظر تھیں۔

شہر کے چورہ دینی دارالعلوم کے بعد، آج وہ نوجوان، دارالعلوم جامعہ کے صدر دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ احاطے میں سے گزر کر طلباء کے اقامتی جگہ سے کی طرف پڑھتے ہوئے، اُس کے پاؤں تک خشک، زرد پتے مسل کر چکھے تو اُس نے اور پر دیکھا۔ سامنے بر گد کا ایک پرانا ساروخت کھڑا تھا۔ شاخوں سے چھٹے ہوئے خشک، زرد، خزان رسیدہ پتے، اور اُن کے درمیان، خال جھانکتے سبزی مالی پتے۔ اس نے ایک جھوڑ جھری سی ل اور لمبے دُگ بھرتا آگے ٹھہر گیا۔

قطۇمی دیر بعد وہ طلباء کے درمیان بیٹھا، موصوفیات دین پر تبادلمہ تہیات کر رہا تھا۔ پھر اٹھتے ہوئے وہ درجہ ثالوثیہ اور خاصل کے درجے کے تین طلباء سے سیم کے نام۔ "مقام حديث" اور "معراجِ انسانیت" کی جدیں والپس لے رہا تھا اور ان کی جگہ دو تین اور کتابیں دے رہا تھا۔

برصات کی ایک گھری ہوئی شام۔ اور اس وقت پونڈا باندی پھر تیز ہو گئی تھی۔ پچھلے منگل کی طرح سول ہستیاں کے میں گیٹ سے ایک سائیکل تیزی سے اندر داخل ہو رہی ہے۔ اور پھر وہ نوجوان سائیکل کے کیریڑ سے کتابیں اٹھا کر تیز تیز قدموں سے چل رہا ہے اور لفڑی دیر بعد سر جیکل دار ڈکے اس مریض کے پاس بیٹھا ہوا پایا جاتا ہے جس کی مالکیں پچھلے چار ماہ سے سعینہ سے بندھی ٹھہری ہیں۔

اور آج وہ نوجان "معراجِ انسانیت" والپس بیتے ہوئے اُسے "شاہکارِ رسالت" پکڑا رہا تھا۔ مفہومی دیر بعد دبی نوجان جزیل وارڈ میں پھیلت اور کتنا بچے تقسیم کر رہا تھا۔

بہار کی ایک چمکتی دصربپ والی صبح۔ تو اس کا دن۔ تین ہفتے ہوئے، میرک کام نتیجہ نکلا ہے اور شہر کے آٹھ سکولوں کے بعد آج اس کے سامنے مسلم ماذل سکول کے اقل۔ دوسم اور سوم آنے والے طالب علموں کے گھر تھے۔ پھر وہ نوجان، اس سکول کے دوسم آنے والے طالب علم کے ساتھ اس کے گھر پہ بیٹھا تھا اور جب وہ الوداعی مہمانی کے لئے اٹھتے تو میر پر "اسبابِ زوالِ امت" کی کتاب پڑھی تھی۔

اور پھر وہ سمیں اتفاق کے کچھ ہی وقت بعد، شہر سے باہر نئی بستی سے والی پر، اس نئے جو نئی شہر کی جگہ نیلی رنگ کا موڑ کاٹا تو لا ضوری طوب پہ، اس کی نگاہیں پیچھے رہ جانے والی بستی کی طرف اٹھ گئیں اور اتفاق سے اس مکان سے جاٹکروائیں جہاں سے وہ الجھی ہو کر آ رہا تھا۔ گھر کے ہر دین گیت پر، جہاں سے وہ جدا ہوئے تھے۔ اسی سکول کا دوسم آنے والا طالب علم دیں کا دہیں کھرا تھا۔ اس کا سر، ہاتھ سے پکڑی ہوئی کسی جیز پر جوکا ہوا تھا۔

صفات خاہر تھا کہ وہ دہیں کھڑے کھڑے سیم کے نام پہنچتے میں محمد ہو چکا تھا۔

بُدھ کا دن۔ موسلا دھار بارش کے بعد جھپٹپاہا ہو چلا تھا۔ شہر سے باہر واقع برائی سنتل جیل کی بُری بُری اور کالی سیاہ دیواریں، ہو چکنے والی بارش سے یون بیکی کھڑی تھیں، جیسے کوئی کسی احصار کی شدت سے پسندیدہ نہ ہوا ہو۔ آج ملانا یوں کا دن ہے، پائچ بجے سے رات بجے کے اس وقت میں بیس منٹ رہتے ہیں۔ ایک سائیکل تیزی سے اگر کھڑی ہوتی ہے۔

اور پھر وہی نوجان، کلاس اسے اور کلاس سی کی بیرون کے سامنے، سلانخیں کے بیچ میں سے، یا توں، کتا بول اور پھلبوں کا تبادلہ کر رہا ہوتا ہے کہ اتنے میں وقت ختم ہونے کا گھنٹہ نکھلاتا ہے۔

اس نوجان کے اس عملی پروگرام کی داستان ترکیل طویل ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جس نتیجہ تک اُس کی ہنگ و ناز ہمیں پہنچاتی ہے، اس کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔ اندھہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک فرد، تن تھنا، بل سانچہ و سامان بھی یقینی حکم کے بعد عمل پیغم کی کوئی راہ اختیار کرے تو اس کے محسوس اور درختنده نتائج مرتب ہو کر رہتے ہیں۔ لہذا، ہم نوجوانوں کو اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہیئے کہ نومن نتیل ہو گا، تب ہی رادھا ناچے گی۔ ہمیں ایک پروگرام کو لے کر تھا اٹھ کھڑے ہوئے چاہیئے، مزیل خود آ کر ہمارے قدم ہرم لے گی۔

اور آج وہ نوجوان "معراج انسانیت" والپس لیتے ہوئے اُسے "شاہکار رسالت" پکڑا رہا تھا۔ مقدوری دیرہ بعد وہی نوجوان جزِل وارڈ میں پھیل گئے اور کتنا بچے تقسیم کر رہا تھا۔

(ب) بہار کی ایک چمکتی دھرپ والی صبح۔ انوار کا دن۔ تین چھٹے ہوئے، میٹرک کامنیجہ نکلا ہے اور شہر کے آٹھ سکولوں کے بعد آج اس کے سامنے مسلم ماؤن سکول کے اول۔ دوسرا اور سوم آنے والے طالب علموں کے گھر تھے۔ پھر وہ نوجوان، اس سکول کے دوسرا آنے والے طالب علم کے ساتھ اس کے گھر پہنچا اور جب وہ الوداعی مصافی کے لئے اُٹھے تو میر پر "اسبابِ زوالِ امت" کی کتاب پڑھی تھی۔

اور پھر وہ حسین الفاق کے کچھ ہی وقت بعد، شہر سے باہر نئی بستی سے والپی پہ، اس نے جنہی شہر کی جنیل سڑک کا مٹر کامنی تو لا شوری طور پر، اس کی نگاہیں پہنچپڑے جاتے والی بستی کی طرف اٹھ گئیں اور اتفاق سے اس مکان سے جانکروائیں جہاں سے وہ الجھی ہو کر آ رہا تھا۔ گھر کے بیرونی گیٹ پر، جہاں سے وہ جدا ہوئے تھے۔ اسی سکول کا دوسرا آنے والا طالب علم دہیں کا دہیں کھڑا تھا۔ اس کا سر، ہاتھ سے پکڑی چھوٹی کسی چیز پر جھکا ہوا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دہیں کھڑے کھڑے سیلیم کے نام پہنچتے ہیں محو ہو چکا تھا۔

(ج) چھوٹا کا دن۔ موسلا دھار بارش کے بعد جھپٹپٹا ہو چلا تھا۔ شہر سے باہر واقع برائج سنٹل جیل کی بڑی بُری اور کالی سیاہ دیواریں، ہو چکنے والی بارش سے یون بیگن کھڑی تھیں، جیسے کوئی کسی احتجاج کی شدت سے پسینہ پسینہ ہوا ہو۔

آج ملاقیاتیوں کا دن ہے۔ پانچ بجے سے رات بجے کے اس وقت میں منٹ رہتے ہیں۔ ایک سائیکل نیزی سے اگر کھڑی ہوتی ہے۔

— اور پھر وہی نوجوان، کلاس اسے اور کلاس سی کی بیرون کے سامنے، مسالخوں کے بچے میں سے، بالوں، کتا بول اور پھلسوں کا تبادلہ کر رہا ہوتا ہے کہ اتنے میں وقت ختم ہونے کا حصہ نہیں تھا۔

اس نوجوان کے اس عمل پروگرام کی داستان تو طویل طویل ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جس نیچہ تک اُس کی ہنگ و تناز ہمیں پہنچاتی ہے، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اندھوہ نیچہ ہو ہے کہ اگر ایک فرد، تن تھہا، بدل ساز و سامان بھی یقینی حکم کے بعد عمل پیغم کی کوئی راہ اختیار کرے تو اس کے محسوس اور درخشندہ نتائج مرتب ہو کر رہتے ہیں۔ لہذا، ہم نوجوانوں کو اپنے آپ کو اس فریب میں منتکل نہیں رکھنا چاہیئے کہ فومنیں نیل ہو گا، تب ہی رادھا ناچے گی۔ ہمیں ایک پروگرام کو لے کر تھا اٹھ کھڑے ہونا چاہیئے، منزلِ خود آکر ہمارے قدم پُرم لے گی۔

۸۔ صالح الحجۃ لغتی

لیقینِ محکم، عمل پیغمبر، محبت فارسی عالم؛
بہبادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی مشیریں

معز خرائیں وحدرات! السلام علیکم

علامہ اقبالؒ کا یہ بصریت افروز پیغام بھروسے آج کے مذاکرے کا عنوان ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے عطا کروہ ایک سیز منہل اصول کا ترجیح ہے۔ یہ ایک نافذابلی تزوید حقیقت ہے کہ لیقین و ایمان، عمل سنسن اور محبت و رحمت ہی اصل حیات ہیں جن کی ہدایت ہم کائنات کی سرکش قوتوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اور ان پر قادر پالئے ہوئے خدا کے متعین کردہ پرسنگرام کے مطابق، الفرادی اور اجتماعی سطح پر انسانیت کی نشوونہا کر سکتے ہیں اور پوری دنیا جی کے ساتھ حصول مقاصد کے لئے جد و جہد کرتے ہوئے منزل مراد کی طرف گامزن رہ سکتے ہیں۔ یوں ہم ایک ایسے ممتاز امنصفانہ اور منحکم معاشرے کی تشكیل کر سکتے ہیں، جہاں تمام افراد معاشرہ اپنے حقوق و فرائض کی طور پر شجاعتی چلے ہوئے ہیں اور انسانیت کو اس کی معراجِ نصیب ہو جاتی ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ لیقین و عمل اور محبت کے نتائج اس نظر و روح پر کیونکر ثابت ہو سکتے ہیں۔ تو آئیے اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے علامہ کے اس شرپر خوار کریں جس میں انہوں نے *(قرآنی تعلیم کے عین مطابق)* زندگی کو جہاد سے تحریر کیا ہے۔ جہاد، حضولِ مقاصد کے لئے عملِ متواتر، سعی پیغمبر اور شاگ و تاز لاستراہی کا دوسرا نام ہے۔ طبیعی لفظ، نگاہ سے ہی دیکھئے تو سعی و کاوش نہ صرف زندگی کا تقاضا ہے، بلکہ خود زندگی ہے۔ اس لئے حرکت و حرارت کے بغیر (SILIRVIVAL) نامکن ہے۔ عظیم الجہش جوانات سے لے کر ایک جڑو ہے تاک کوئے لیجئے۔

سب ہی آپ کو اس مقولے پر، عمل پیرا نظر آیں گے کہ ”حکمت میں برکت ہے۔“

یہی انسانی سطح پر پہنچ کر سعی و عمل صرف ایک طبیعی فرض نہیں رہتا بلکہ بہت بلند حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ کائنات میں حق و باطل اور تعمیری و تخریبی قوتیں ہر دم ایک دوسرے کے خلاف برس پیکا رہتی ہیں۔ مجاہد کا مقصد باطل کو نیچا دکھا کر فوری حق کو چار سو پھیلانا ہے۔ اس کشکش اور تصادم کی آخری جملانگاہ میدانِ جنگ ہوتا ہے جہاں مجاہد سر دھڑکی نازی لگا کر دشمن کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ جہاد کی آخری اور بلند تریں شکل ہے، ورنہ قرآن کی رو سے ہر مرد مدنی اسلام کا مجاہد ہے۔ کیونکہ وہ کسی بھی شعبہ حیات سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو، ہر آن حق کی خاطر مصروف تسلیم رہتا ہے۔

یہاں پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیفیت اپنے کو اپنا کر مجاہد اپنا فریضہ کا بنا لے سے ادا کر سکتا ہے۔ تو چھٹے ذائقے یہ ہو سکتے ہیں کہ آخر کیا (GUARANTEE) ہے کہ

۸۔ صالح الحمد لغتی

یقین ملکم، عمل پیغمبم، محبت فاتح عالم؛
بہباد زندگانی میں ہیں ہے مردوں کی شمشیریں

معز خرائیں و حضرات! السلام علیکم

علامہ اقبالؒ کا یہ بصیرت افروز ہنیا مسجد ہمارے آج کے ذاکرے کا عنوان ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے عطا کرده ایک بیز منہل اصول کا ترجمان ہے۔ یہ ایک نافذ تردید حقیقت ہے کہ یقین و ایمان، عمل مسلسل اور محبت و رحمت ہی اصل حیات ہیں جن کی بروائی ہم کائنات کی سرکش قوتیں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اور ان پر قابو پالئے ہوئے خدا کے متین کردار پر گرام کے مطابق، الفرادی اور اجتماعی سطح پر انسانیت کی نشوونما کر سکتے ہیں اور پوری دنیا جمعی کے ساتھ حصول مقاصد کے لئے چد و چہد کرتے ہوئے منزل مراد کی طرف گامزن رہ سکتے ہیں۔ یوں ہم ایک ایسے متوالنا منصانہ اور مستحکم معاشرے کی تشکیل کر سکتے ہیں، جہاں تمام افراد معاشرہ اپنے حقوق و فرائض کلی طور پر بخاتے ہلے ہیں اور انسانیت کو اس کی معراجِ نصیب ہو جاتی ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یقین و عمل اور محبت کے نتائج اس نذر روح پر کیونکر ثابت ہو سکتے ہیں۔ تو آئیں اس لکھتے کو سمجھنے کے لئے علامہ کے اس شعر پر خور کریں جس میں انہوں نے (قرآنی تعلیم کے عین مطابق) زندگی کو جہاد سے تعمیر کیا ہے۔ جہاد، خضول مقصود کے لئے عمل متوال، سعی پیغم اور تنگ و تاز لامتناہی کا دوسرا نام ہے۔ طبیعی لفظ و نگاہ سے ہی دیکھئے تو سعی و کاوش نہ صرف زندگی کا تقاضا ہے، بلکہ خود زندگی ہے۔ اس لئے رحمت و حضرت کے بغیر (SIR VAIR) نامکن ہے۔ عظیم الجہش حیوانات سے لے کر ایک جوڑے تک کوئے یعنی سب ہی آپ کو اس مقولے پر، عمل پر انتظار آیں گے کہ ”رحمت میں برکت ہے“۔

یک انسانی سطح پر پہنچ کر سعی و عمل صرف ایک طبیعی فرض نہیں رہتا بلکہ بہت بلند حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ کائنات میں حق و باطل اور تعمیری و تجزیی قوتیں ہر دم ایک دوسرے کے خلاف بسر پیکا رہتی ہیں۔ مجاہد کا مقصد باطل کو پہنچا دکھا کر لبھنچ کو چار سو پھیلانا ہے۔ اس کشکش اور تصادم کی آخری جملہ نگاہ میدانی جنگ ہوتا ہے جہاں مجاہد سر دھڑکی نہازی لٹکا کر دشمن کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ جہاد کی آخری اور بلند ترین شکل ہے، ورنہ قرآن کی رو سے ہر مردم میں اسلام کا مجاہد ہے۔ کیونکہ وہ کسی بھی شعبہ حیات سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو، ہر آن حق کی خاطر مصروف عمل رہتا ہے۔

یہاں پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہنا طریق ہے جس کو اپنا کر مجاہد اپنا فریضہ کاپنیا سے ادا کر سکتا ہے۔ تو چھٹے ذالے یہ لہجہ ہے کہ آخر کیا (GUARANTEE) ہے کہ

حق ہاصل پر غالب آ جائے گا! فتح سرگش عنادِ رکو بھی تو حاصل ہو سکتی ہے! اس اہم سوال کا جواب آنسان ہے۔ قرآن کریم ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچاتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو تم غالب آ کر ہو گے۔ چنانچہ اس میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساطھ قرآن انسان کو کارزارِ حیات میں سرخود ہونے کے لئے امْتُوا وَعَلَمُوا الصِّدْقَتِ اور رَحْمَةَ اللِّيْلَةِ ایسی دلیل دیتا ہے۔ اور یہی وہ سنہرے اصول ہیں جو ایک کامیاب و شاداب زندگی کی طہارت ہیں۔

حاضرین! آپ نوذر کیجئے کہ خالقِ کائنات پر ایمان و یقین، ایک صالح زندگی کے لئے کس تر ضروری ہے۔ اس وسیع و عزیزِ کائنات میں لمحہ ہے ملکہ روپیہ پر ہونے والے مقاہیر قدرت قدم قدم پر انسانی ذہن کو اپنی طرف متوجہ کر کے ان سوالات پر جو نہ و نکر کی وجہت و دلیل ہے ہیں گہ یہ کائنات کیا ہے، اور کیوں ہے؟ خالقِ کائنات کون ہے اور تخلیقِ کائنات کا مقصد کیا ہے؟ ان سوالات کا جواب، انسان انہی سے متعود ہوا چلا آیا ہے۔ لیکن قتل بخش جواب کوئی نہیں پا سکا، ماسوا اس کے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا یا اور دینی تعلیم سے روشناس ہوا۔ یہ مومن ہی ہے جس نے سمجھا کہ کائنات خدا کی واحد کی تخلیق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام کائنات قوبیں اللہ تعالیٰ کے ہر وگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل رہیں۔ اس کے برعکس کافر یا محدث تذبذب، بلے یقینی اور منتشر خیالی کا شکار ہو کر سکونِ الہیان کی نعمت پرست قبہ سے محروم ہو جاتا ہے اور زندگی کے حقائق سے فزاد کی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے۔

معززِ سامعین! اس بحث سے یقین و ایمان کی اہمیت و افادت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ لیکن فرازِ نور کیجئے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عمل کے بغیر خالی ایمان سے کوئی ثابت تائیج برآمد نہیں ہو سکتا۔ فرازِ سوچئے کہ اس معاشرے کی کیا صورت ہو گی جہاں سب کے سب اللہ اور اُس کے دین پر کامل یقین رکھتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہیجئے ہوں۔ خود ہی کہیے کہ ایسے لوگوں کو زندگی کی کتنی کامبیا ہیاں اور کتنی ترقیاں لفیض ہو سکیں گی! ہلے بغیر تو ہاں بھی نہیں پہاڑتا، چہ جائے کہ انسانیت کی نشوونما کی جا سکے! زندگی کی خوشگواریوں سے دیپسایاب ہونے کے لئے سعی دکاوشن اور عنت و مشقت سے کام لینا ناگزیر ہے۔ اسی طریقے سے انسان معاشرہ ترقی کی راہ پر گاہرن ہو سکتا ہے اور کائنات پر گھنڈیں ڈال کر بت نہیں جہاں دریافت کر سکتا ہے۔

یہ بھی سوچئے کہ اگر صرف عمل بھی عمل ہو، لیکن ایمان نہ ہو تو اس کا کیا تجھہ نکلتا ہے۔ ایسی صورت میں عمل، غلط اور صحیح میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ گمراہی کے انہیروں میں بھکتے ہوئے انسان کے غلط اور نیاہ کی اعمال کا نتیجہ تو ظاہر ہے۔ دنیا میں بھی نباہی اور آخرت میں بھی بر بادی۔ اس کے برعکس اگر انسان صرف ملیعی قانون کے مطابق سعی و کاوشن کرے جویں تو خدا کے غافلی مکانات میں ٹل کر دو سے اس کو اس دنیا میں تو ضرور کامیابی نہیں ہو سکتی۔ خدا اور اس کے دین پر ایمان نہ رکھنے کی

حق باطل پر غالب آ جائے گا! فتح سرکش غناصر کو بھی تو حاصل ہو سکتی ہے! اس اہم سوال کا جواب آنسان ہے۔ قرآن کریم ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچاتا ہے کہ اگر تم مون ہو تو تم غالب آ کر دیو گے۔ چنانچہ اس میں تو کسی شک و شبہ کی ٹھنڈائش نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساختہ قرآن انسان کو کاندارِ حیات میں سرخود ہونے کے لئے اَمْتُوا وَعَلَمُوا الصِّدْلَةِ اور رَحْمَةُ الْمَعَايِنِ کا درس دیتا ہے۔ اور یہی وہ سنبھارے اصول ہیں جو ایک کامیاب و شاداب زندگی کی طہارت ہیں۔

حاضرین! آپ غور کیجئے کہ خالق کائنات پر ایمان و یقین، ایک صالح زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں لمحہ بہ لمبہ بہ عربی پر ہونے والے مظاہر قدرت قدم قدم پر انسان ذہن کو اپنی طرف متوجہ کر سکے ان سوالات پر جو دنکر کی دھڑت دستیت ہیں گہرے یہ کائنات کیا ہے اور کیوں ہے؟ خالق کائنات کون ہے اور تخلیق کائنات کا مقصد کیا ہے؟ ان سوالات کا جواب، انسان انہیں سے ڈھونڈتا چلا آیا ہے۔ لیکن نسل بخش جواب کوئی نہیں پا سکا، ماسوا اس کے جواب پر ایمان لا یا اور دینی تعلیم سے روشنایا ہوا۔ یہ موہن ہی ہے جس نے سمجھا کہ کائنات خدا کی تعلیم سے پر ایمان لا یا اور دینی تعلیم سے روشنایا ہوا۔ کہ تمام کائنات قوبیں اللہ تعالیٰ کے بہ وکرام کی تکمیل و احمد کی تخلیق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام کائنات قوبیں اللہ تعالیٰ کے بہ وکرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل رہیں۔ اس کے برعکس کافر یا مکر تندیب، بلے یقینی اور منتشر خیالی کا شکار ہو کر سکون دا بھیناں کی نعمت غیر مرقبہ سے محروم ہو جاتا ہے اور زندگی کے حقائق سے فزاد کی راہیں تکالش کرنے لگتا ہے۔

معزز سامعین! اس بحث سے یقین و ایمان کی اہمیت و افادت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ لیکن ذرا غور کیجئے تو یہ بات روشن روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عمل کے سمات خالی ایمان سے کوئی ثابت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ ذرا سوچئے کہ اس معاشرے کی کیا صورت ہو گی جہاں سب کے سب اللہ اور اُس کے دین پر کامل یقین رکھتے ہوئے باقاعدہ پر باقاعدہ دھرے بیٹھے ہوں۔ خود ہی کہتے ہیں کہ اپنے لوگوں کو زندگی کی کتنی کامیابیاں اور کتنی ترقیاں لفیض ہو سکیں گی! ہلے بغیر تو ہاں بھی نہیں پایا جاتا، چہ جاۓ کہ انسانیت کی نشوونما کی جاسکے! زندگی کی خوشگواریوں سے دیضیاب ہونے کے لئے سعی دکاوش اور محنت و مشقت سے کام لینا ناگزیر ہے۔ اسی طریقے سے انسان معاشرہ زندگی کی راہ پر گامزد ہو سکتا ہے اور کائنات پر گھنڈیں ڈال کر بنت نئے جہاں دریافت کر سکتا ہے۔

یہ بھی سوچئے کہ اگر صرف عمل ہی عمل ہو، لیکن ایمان نہ ہو تو اس کا نتیجہ نکلتا ہے۔ ایسی صورت میں عمل، غلط اور صحیح میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ہی کے انہیں سے میں بھکت ہوئے انسان کے غلط اور نتیجا کی اعمال کا نتیجہ تو ظاہر ہے۔ دنیا میں بھی نہا ہی اور آخرت میں بھی بربادی۔ اس کے برعکس اگر انسان صرف طبیعی قانون کے مطابق سعی و کاوش کرے بھی تو خدا کے قانون مکانات میں کی بعد سے اس کو اس دنیا میں تو مزور کامیابی غصیب ہو گا لیکن خدا اور اس کے دین پر ایمان۔ رکھنے کی

بنا پر وہ اُخزوی زندگی کی شادا بیوں سے محروم کر دیا جائے گا۔
المفڑ دنیاوی اور اُخزوی دونوں زندگیوں کی خرستگار بیوں سے بہرہ باب ہونے کے لیے ایمان و عمل صارع لازم ہے ملزوم ہیں اور اسی لئے قرآن نے انسان کو **أَمْنُوا وَعَلِمُوا الصِّلْحَتِ** کی تعلیم دی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساخت قرآن کریم ہمیں ایک اور چیز کا بھی درس دیتا ہے اور یہ عالمگیر محبت و رحمت اور انسان وحدت و یگانگت اللہ تعالیٰ کے پروگرام کا مقصد و منتها یہ ہے کہ مختلف اقوام عالم کے درمیان لذگ و نسل یا مذہب اور (۱۵۶۰۵۰۵۱) کی بنا پر پائی جانے والی لفترت کو اور کرکے اُنتہ و احده کی تکمیل کی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے سب انسانوں کا خارص و محبت کی ڈوری میں بندھ جانا لازمی ہے۔ چنانچہ انسان کا ہر عمل انسانیت کے لئے محبت و رحمت کی نوید ہونا چاہیئے۔ یعنی عذر

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اب تفتور کجھے کہ یقین و عمل اور محبت و رحمت کی نہتوں سے بہرہ باب ماشرے کی عملی شکل و صورت کیا ہوگی ۔ یہ ایک بہت حسین تفتور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ایسے معاشرے کے افراد کو نہ کوئی حزن ہوگا اور نہ کوئی خوف۔ سکون و اطمینان اور خلوص اور چاہت کی دوست سے مالا مال اس معاشرے میں چار سو حق کا نور چھایا ہوگا اور عناء مر فطرت سے لے کر انسانی آبادیاں تک اسلامی حملت کا گرشہ گوشہ حسین نظر آئے گا۔

چشمہ کھساد میں، دریا کی آزادی میں حسن

شہر میں، صحرائیں، دیرائے میں، آبادی میں حسن

اور یہی وہ تفتور ہے حاضرین کرام! جد آج سے اٹھائیں سال قبل قیام پاکستان کی جدوجہد کا ہرک بننا تھا۔ یہی وہ آئندیں ہے میرے بزرگو! جس کے حصول کے لئے آپ نے ماں اور خون کی بیٹھائیں قربانیاں دے کر تاریخ کے اوراق پر مجاہدانت سرفوشی کی عظیم داستانیں بکھر دی تھیں۔ آپ کا مقصد آپ کا آئینہ اور آپ کا (TARGET) ایک الیٰ اسلامی حملت کا نیام تھا جہاں آپ پوری آزادی اور مدن کے ساتھ اپنے دینی فرائض سراخچاں دے کر دنیا کے نقشے پر ایک سرفرازہ با مراد قوم کی جیتیں سے اُبھر سکتے اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے قائد اعظم کی دیوار انگریز قیادت میں اُن کے ندیں اصولیں۔ یعنی اندازہ تنظیم اور یقینی بحکم بر عمل کرنے پرستہ کام کام اور صرف کام کر اپنائے ہوئے بھروسہ جدوجہد کی، اور یقین و عمل کے اس امتحان سے ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو سرخروں نکلے۔

لیکن اس کے بعد کیسی کایا پڑی؟ حصول مقصد کے بعد آپ اپنی راہ مستقیم سے بٹک کھیل گئے، قائد اعظم کی آنکھیں بند ہوتے ہی آپ نے ان کے ارشادات سے آنکھیں کھیل پھر لیں؟ اور جان، مال اور آبہو کی پے حساب قربانیاں دے کر حاصل کئے جائے والے اس وطنی عزیز کی آپ نے نہیا

بنا پر وہ آخر دنگی کی شادابیوں سے محروم کر دیا جائے گا۔
الغرض دنیاوی اور آخر دنگیوں کی خرستگواریوں سے بہرہ یا ب ہونے کے لیے ایمان و عمل صارخ لازم ہے اور اسی لئے قرآن نے انسان کو **أَمْسِتُوا وَعَلِمُوا الصُّلُحُ** کی تعلیم دی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساختہ قرآن کریم ہمیں ایک اور چیز کا بھی درس دیتا ہے اور یہ عالمگیر محبت و رحمت اور انسانی وحدت و یگانگت اللہ تعالیٰ کے پروگرام کا مقصد و منتها یہ ہے کہ مختلف اقوام عالم کے درمیان دنگ و نسل یا مذہب اور (۶۵۰ھ ۱۲۵۰ء) کی بنا پر پانی جانے والی لفترت کو دور کر کے انت واحده کی تشكیل کی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے سب انسافوں کا خارص و محبت کی طوری ہیں بندھ جانا لازمی ہے۔ چنانچہ انسان کا ہر عمل انسانیت کے لئے محبت و رحمت کی نوبت ہونا چاہیے۔ یعنی عکس

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اب تھوڑ کہجئے کہ یقین و عمل اور محبت و رحمت کی نہنتوں سے بہرہ یا ب ماشرے کی عملی شکل و صورت کیا ہوگی۔ یہ ایک بہت حسین تھوڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ایسے معاشرے کے افراد کو نہ کوئی حزن ہوگا اور نہ کوئی خوف۔ سکون و اطمینان اور خلوص اور چاہت کی دوست سے ملا مال اس معاشرے میں چار سو حق کا نوٹ چھایا ہوگا اور عناء مرفت سے لے کر انسانی آبادی تک اسلامی حملہ کا گوشہ گوشہ حسین نظر آئے گا۔

چشمہ کہسار میں، دریا کی آزادی میں حسن

شہر میں، صحرائیں، وپرانے میں، آبادی میں حسن۔

اور یہی وہ تھوڑ ہے حاضرین کرام! جد آج سے اٹھائیں سال قبل قیامِ پاکستان کی جدوجہد کا محرک بنا تھا۔ یہی وہ آئیڈیل ہے میرے بندگو! جس کے حصول کے لئے آپ نے مال اور خون کی بیٹھائیں قربانیاں دیے کرتا ریخ کے اوراق پر مجاہدات سرفرازی کی عظیم داستانیں بھیڑ دی یقین۔ آپ کا مقصد آپ کا آئیڈیل اور آپ کا (TARGET) ایک ایسی اسلامی حملہ کا نیام تھا جہاں آپ پوری آزادی اور ملک کے ساتھ اپنے دینی فرائض سرا نجام دے کر دنیا کے نقشے پر ایک سرفراز و بامراد قوم کی حیثیت سے امپرسکتے اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے قائد اعظم کی دبورا گیز تیاری میں اُن کے ندیں اصولوں۔ یعنی انخواہ تنظیم اور یقینی محکم پر عمل کرنے ہوئے کام کام اور صرف کام کر اپنائے ہوئے بھروسہ جدوجہد کی، اور یقین و عمل کے اس امتحان سے ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو سفرخود نکلے۔

لیکن اس کے بعد کیسی کایا بلٹی: حصولِ مقصد کے بعد آپ اپنی راہِ مستقیم سے بٹک کھوں گئے، قائد اعظم کی آنکھیں بند ہوتے ہی آپ نے ان کے ارشادات سے آنکھیں کھوں پھیر لیں؟ اور جان، مال اور آبرو کی بے حساب قربانیاں دیے کر عامل کئے جانے والے اس وطن عزیز کی آپ نے کیا

مُرگیت بنائی...؟

ہے میرے اور میرے ہم عربوں کے ذہنوں ذہنوں میں کلبائی نے والے وہ سوالات ہیں جن کا جواب ایک ایسی افیت ناک حقیقت کے روپ میں ہم اور آپ کے سامنے ہے جس سے گھبرا کر آپ ہم بخوبی سے لاکھ آنکھیں چڑانا چاہیں پر نہیں چاہ سکتے۔ اس لئے کہ اٹھائیں سال کے عرصے میں آپ کی اولاد جوان مہر چل ہے۔ کل کے نچے اب نچے نہیں رہے۔ اب ہم ایک ذی شعور اور صدقی قہمِ نسل کے قابل میں داخل چکے ہیں جو سب کمہ دیکھتی ہے اور سنتی ہے اور جو حقائق کو دلیل د بیان کی کسوٹی پر پرکھنا جانتی ہے۔ آپ یاد رکھئے کہ آج کی نوجوان نسل آپ کی خاصیں اور کروڑیوں سے پوری طرح واقع واقع ہو چکی ہے۔ وہ ایجھی سمجھ چکی ہے کہ اس نے اپنے اسلاف سے کیا میراث پائی ہے! اس کے آبانے خود کس قسم کی زندگی لگزاری ہے اور اپنے بچوں کو کیا دیا ہے۔

آئیں بنڈگاں میں: اگر حوصلہ ہے تو اپنا نامہ اعمال اپنے بچوں ہی کی زبانی سن لیجئے۔ آپ منافقین کی ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جو خود کو جماحتِ مومنین کھلوانے میں فخر محسوس ہے۔ آپ یقین د ایمان کے بنڈاں دخواست کرنے والے والدین ہیں جن کے دل و داع شرک و الحاد کی زنجیر دل میں جکڑے ہوئے ہیں۔

آپ اپنے بچوں کو صداقت و ویات کا درس دیتے والے ایسے ماں باپ ہیں جن کی زندگیانہ دروغ اور خیانت میں لختی ہوئی ہیں۔

آپ اولاد کو قوتِ بازو پر اختصار کی تحقیقیں کرنے والے والدین ہیں جن کی زندگی کی گاڑی رشوت و سفارش کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں پڑھتی۔

یہ آپ ہی ہیں میرے بنڈگو! جہنوں نے ہمیں کتابوں میں اسلام کی اعلیٰ اقدار کا درس دیا ہے اور اسلامی تاریخ کے سینہی ادوار سے روشناس کرایا ہے۔ مگر عمل طور پر ہمیں چور بازاری ذخیرہ اندوزی، لوٹ گھسٹ، قتل و غارت، جبر و استبداد، سگریٹ و شراب، مخدوٹی اور نافضی کی تعلیم دی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے ہمیں قرآنِ عکیم کو چومنا، آنکھوں سے لگانا اور کئی کمی وغیرہ قرآن ختم کرنا تو سکھا دیا لیکن اپنے ساتھ ہمیں بھی اس کتابِ عظیم کے مفہوم سے نا آشنا رکھا ہے۔

میں آپ سے صرف یہ سوال کرنا چاہتی ہوں میرے بنڈگو! کہ آپ کا کوئی ایک قتل بھی ایسا ہے جو آپ کے قول سے متعارض نہ ہو؟ ————— ہر طرف تضاد ہی تعاون ہے! ————— کیا یہی ہے وہ حسین مولکش پاکستان جس کوئے کر رہے کے نعرے آپ نے دیجے صدی پیشتر لکھتے تھے... وہ کیا یہی ہے اقبال کے حسین خواب کی تعبیر!

جہسہ کا با حصل؟!

اس پر طریقہ یہ کہ آپ اپنے اس سنتگین نرین جرم کا اقرار کرنے کی بجائے ہم بچوں پر طرح طی

مذکور گفت بنائی...؟

یہ میرے اور میرے ہم عمروں کے ذہنوں نہیں ہیں بلکہ انہیں فوائد وہ سوالات ہیں جن کا جواب ایک ایسی اذیت ناک حقیقت کے بعد پہ بھی کم اور آپ کے سامنے ہے جس سے گھبرا کر آپ ہم بھوک سے لاکھو آنکھیں چڑانا چاہیں پر نہیں چڑا سکتے۔ اس لئے کہ اٹھائیں سال کے عرصے میں آپ کی الاد جوان مہر چلی ہے۔ کل کے پچھے اب پچھے نہیں رہے۔ اب ہم ایک ذی شعور اور صدقی فہم نسل کے قابل ہیں وہ صلی چکے ہیں جو سب کچھ دیکھتی ہے اور سختی ہے اور جو حقائق کو دلیل د بہان کی کسوٹی پر پکھنا جانتی ہے۔ آپ یاد رکھتے کہ آج کی نوجوان نسل آپ کی خامیں اور مکروہیں سے پوری طرح واقف ہو چکی ہے۔ وہ ایجھی سمجھ چکی ہے کہ اس نے اپنے اسلاف سے کیا میراث پائے ہے! اس کے آبانے خود کس قسم کی زندگی گذاری ہے اور اپنے بچوں کو کیا دیا ہے۔

آپ نے بندگانِ من: اگر خرصلہ ہے تو اپنا نامہ اعمال اپنے بچوں ہی کی زبانی سن لیجئے۔ آپ منافقین کی ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جو خود کو جماحت مونینی کہلانے میں فخر محسوس ہے۔ آپ یقین د ایمان کے بندگان دخواست کرنے والے وہ گم کردہ راہ افراد ہیں جن کے دل د داغِ شرک د الہاد کی تغیریں میں عکس سے ہوئے ہیں۔

آپ اپنے بچوں کو صداقت و دیانت کا درس دیتے والے ایسے ماں باپ ہیں جن کی زندگی،
لذوق اور خیانت میں لختگی ہوئی ہیں۔ آپ اولاد کو قوتِ بازو پر اختصار کی تلقین کرنے والے ایسے دالدین ہیں جن کی زندگی کی گاڑی رشوت و سفارش کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں نہ رہتی۔

یہ آپ ہی ہیں میرے بندگو! جنہوں نے ہمیں کتابوں میں اسلام کی اعلیٰ اقدار کا درس دیا ہے اور اسلامی تاریخ کے سہری اور اوار سے روشناس کرایا ہے۔ مگر عمل طور پر ہمیں چوریا را دی دخیرہ اندرزی، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت، جبر و استبداد، سگریٹ د شراب، محمد عرضی اور نافضانی کی تعلیم دی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے ہمیں قرآن حکیم کو چومنا، آنکھوں سے رکانا اور کئی کئی وفہ قرآن ختم کرنا تو سکھا دیا لیکن اپنے ساتھ ہمیں بھی اس کتابی علمی کے مفہوم سے نا آشنا رکھا ہے۔

میں آپ سے صرف یہ سوال کرنا چاہتی ہوں میرے بندگو! کہ آپ کا کوئی ایک فعل بھی ایسا ہے جو آپ کے قول سے متفاہم نہ ہو؟ ہر طرف تعداد ہی تعداد ہے! کیا یہی ہے وہ حسین دلکش پاکستان جس کوئے کر رہے کے لئے آپ نے ولیع صدی پیشتر لکھ لئے تھے...؟ کیا یہی ہے اقبال کے حسین خواب کی تعبیر؟ اور قابر اعظم کی جدد جہنم کا با حصل؟!

اس پر ٹرکہ یہ کہ آپ اپنے اس سنگین نرین جرم کا اقرار کرتے کی بجائے ہم بچوں پر طرح لمح

کے الزامات لگا رہے ہیں۔

”نہانہ ہڑا خواب آگلیا ہے جی! نئی نسل تو اپنے قابو ہی میں نہیں رہی۔ نہ بیویوں کا ادب،
نہ لحاظ! لڑکیوں لڑکوں سے چار ہاتھ آگئے ہیں اور لڑکوں پر نسوانیت کا مجھوت سوار ہے!
دیویوں کا پانی ہی ڈھل گیا ہے جی! محلہ ہمارے زمانے میں ایسا کام ہے کو ہوتا تھا! تو یہ توبہ—
قیامت کے آثار ہیں؟“

نجیسے یہ کہنے میں کوئی تناول نہیں کہ آج کی نوجوان نسل نہ صرف یہ بلکہ اور بھی بہت کچھ
کر رہی ہے!

آج کا نوجوان چرسی اور ریستیا ہے؛ آج کا نوجوان عربانیت اور ٹیکریں کا دلدادہ، جرم
اور تشدد پر آمادہ اور شدید ذہنی لمحشان، بلے چینی، عدم اعتماد اور مالیوسی کا شکار ہے۔

مگر یہ سب کچھ آپ ہی کا تو دیا ہوا ہے بندگانِ من؛ آپ خود ہی بتائیے! کیا ایک دیر جی
ابنٹ پر ایک سیدھی ہمارت استوار کی جاسکتی ہے؟؟

آخر میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں میرے بزرگوں کہ ایسی ایسی اور مسموم فضا میں پروان
چڑھتے کے باوجود ہم۔ آپ کے بھوؤں میں اب بھی کچھ کرنے اور کچھ پالینے کی خواہش موجود
ہے؛ ہم اسی صلاحیت کش ماخول میں نندگی گزارتے چلتے جانا نہیں چاہتے۔

میری اس بات پر چونکہ نہیں کہ ہم تو دل مردہ کو دوبارہ زندہ کر کے نیاز نہ، نئے صحیح د
شام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو یقین ملکم، عمل پیغمبیر و محبت فارج عالم کی تابناک شمشیروں سے
خود کو مسلح کر کے اُسی حسین تھیں کو حقیقت کا روپ دینا چاہتے ہیں؛ جس میں آپ—
اب تک ناکام رہے؟؟

کیا آپ اس را میں ہمارا سامنہ دیں گے؟؟

۹۔ انعاماز یوسف

صدرِ گرامی مدار و معزز حاضرین!

مجھے اقبال علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں یہ پیغام دیا جانا ہے کہ سے
یقین ملکم، عمل پیغمبیر و محبت فارج عالم
چہاڑ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آپ یقین ملکم کی بات کرتے ہیں۔ میں سرے سے یقین ہی نہیں کرتا کہ یہ پیغام میرے لئے ہے۔ عمل سیم
ہماری تعلیمی پالیسی کے خلاف ہے اور یہ کہنا محبت فارج عالم ہوتی ہے اسلامی تعلیمات کے مطابق تو
درست مدد سکتا ہے مگر اسلامی جماعت کے نقطہ نظر سے سراسر غلط ہے، کہ اس کے ہانی کئے الفاظ

کے الزامات لگا رہے ہیں۔

”زمانہ بڑا خراب آگیا ہے جی! نئی نسل تو اپنے قابو ہی میں نہیں رہی۔ نہ بُردوں کا ادب، نہ لحاظ! بُردوں سے چار ہاتھ آگے ہیں اور لڑکوں پر نسوانیت کا مجھوت سوار ہے! دبیدوں کا پانی ہی ڈھل گیا ہے جی! مجھکے ہمارے زمانے میں ایسا کام ہے کو ہونا تھا! توبہ توبہ! قیامت کے آثار ہیں!“

مجھے یہ سمجھتے ہیں کوئی تاثل نہیں کہ آج کی نوجوان نسل نہ صرف یہ بلکہ اور بھی بہت کچھ بکر رہی ہے!

آج کا نوجوان چیزی اور ریسمیا ہے! آج کا نوجوان عربانیت اور بھروسہ کا دلدادہ، جرم اور تشدد پر آمادہ اور شدید ذہنی لختار، بے چینی، عدم اعتماد اور مالیسی کا شکار ہے۔

مگر یہ سب کچھ آپ ہی کا تو دیا ہوا ہے بندگاں من! آپ خود ہی تباشی! کیا ایک مذہبی ابنت پر ایک سیدھی عمارت استخارہ کی جاسکتی ہے؟

آخر میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہمیں میرے بزرگو! کہ ایسی ابلیسی اور مسوم فضائیں پروان چڑھتے کے باوجود ہم۔ آپ کے بھروسے اب بھی کچھ کرنے اور کچھ پالنے کی خواہش موجود ہے! ہم اسی صلاحیت کش ماحدی ہیں نندگی گزارتے چلے جانا نہیں چاہتے۔

بھری اس بات پر چونکہ نہیں کہ ہم تو دل مردہ کو دوبارہ زندہ کر کے نیافرانہ، نئے صبح دشام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو یقینیں ملکم، عمل پیغمبم اور محبت فارغ عالم کی تابناک شمشیروں سے خود کو مسلح کر کے اُسی حسین تحریک کو حقیقت کا روپ دینا چاہتے ہیں؟ جس میں آپ۔

اب تک ناکام رہے ہے؟

کیا آپ اس را میں ہمارا ساختہ دیں گے؟

۹۔ اعجازِ پوسٹ

صدرِ گرامی خدا و معزز حاضرین!

مجھے اقبال علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ سے
یقینیں ملکم، عمل پیغمبم، محبت فارغ عالم
چادرِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آپ یقینی ملکم کی بات کرتے ہیں۔ میں سرے سے یقین ہی نہیں کرتا کہ یہ پیغام میرے لئے ہے۔ عمل پیغمبم ہماری تعلیمی پالیسی کے خلاف ہے اور یہ کہنا محبت فارغ عالم ہوتی ہے اسلامی تعلیمات کے مطابق تو درست مدد سکتا ہے مگر اسلامی جماعت کے نقطہ نگاہ سے سراسر غلط ہے، کہ اس کے ہاتھ کے الفاظ

میں محبت فارج عالم نہیں، بلکہ تشدید فارج عالم ہے۔ حضرت مودودی اس پھر بھر ہیں کہ اسلام رحمۃ اللہ علیہ وسلم کی شیرینی گفتار سے نہیں بلکہ شمشیر خارہ شکاف سے پھیلا تھا۔

اُن اس بات پر یقینِ حکم ہے کہ یہ شعر نبی آخر الزمانؐ کی عیات طبیبہ کی عکاسی کرتا ہے۔ سرکارِ دو عالم نے اپنے صحابہ کبارؓ کے دل و دماغ میں اسلام کی ابھی سچائی کے متعلق واقعی یقینِ حکم پیدا کر دیا تھا۔ اس یقین کوئے کہ جب ان کی بجا گئیں عمل پیغمبر کی نواہ پر گامزیں ہوئی تو نہ راستے میں آزادم کے لئے کوئی ٹپاؤ نہ تھا اور نہ راست کے لئے کوئی دقتہ۔ اہمیس حکم لٹتا ہے کہ جحد کے دل بھی — کہ عیاذ باللہ میں ہے۔ صرف نماز کے وقته کے لئے کامزارِ حیات سے باہمہ نہ کو اور نماز کے فوراً بعد پھر وہی عمل پیغمبر صاحبہ کرامؐ اگلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ آپ کو ان کے ۳۰ سالہ سنبھرے دور حکومت میں بیکار بیٹھنے کا تھوڑہ ہی نہیں ملے گا۔ ان کے ہاں سرکاری تعليمیات کی فہرست شائع نہیں جاتی کہ تعظیلِ نہاد میں سخیل پیغمبر میں تعظیل کا۔ ان کا کام ہی ان کا آزادم ہے۔ ان کے شب دروز اس اعلان کی تعمیر ہیں کہ ۷۴

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

یہ تو تھی ان کی زندگی میں سے اتنا لئے کہ مسیبِ فیض حاصل کر کے اس بلند خیالی کا انلہار کیا تھا۔ اب میری زندگی پر نگاہ ڈالنے کے لیے اس قوم کی امید اور مستقبل ہوں۔

میں ساتویں کالائس کا طالب علم ہوں۔ سال کے ۴۲۵ دنوں میں ۵۲ چھٹیاں اتوار کرتا ہوں۔ فریباً ۹۔ چھٹیاں میں میں گرد کی مہنی ہیں۔ ۱۵ دن میں سرما کی چھٹیاں منانا ہوں۔ سال میں ۵۲ رفعہ ہی جمعہ کو آدمی چھٹی ہوتی ہے۔ قفر تک کے طور پر ۱۵ دن براۓ نام میں نوٹ درک کرتا ہوں۔ کچھ چھٹیاں امتحان کی تیاری کے لئے امتحان سے چند روز پہلے مل جاتی ہیں۔ کچھ امتحان کے بعد نہایج کے انتشار میں تاکہ فارغ وقت میں ہمچنان پر سیاسی اور سماجی دباؤ ڈال کر اپنے نمبر بڑھا سکوں۔ کچھ خیز حاضریاں ضروری کام اور بخار کے بہانے کرنا ہوں اور جب سکول میں حاضر ہوتا ہوں تو عین نہیں۔ دنوں استاد بوجہ ہزاری کام باخواں محنت خیز حاضر ہو جاتا ہے۔ ہر قدر ہمی سال کے آغاز میں کوئی نہیں کی دفت پر نہ چھپنے کے سبب کی روڑ نہ کسکوں میں نئی فلموں پر تھرو کرتا ہوں۔ پونہن کے الیکشن پر ہائی کو اگلے معطل کرتے ہیں۔ الیکشن کے بعد الیکشن کے ثرات ہیں۔ الیکشن کے دورانی گرفتار ہونے والے طالب علم زینہاؤں کی رہائی کے لئے جسے کام انتظام اور جلوس کا اہتمام۔ دفعہ ۱۲۷ کی خلاف ورزی میں گرفتار ہو کر عدالتوں کی پیشیاں۔ مخالف طلبہ کو زخمی کرنے کے سلسلے میں کبیں کی بیشی الگ۔ پھر اپنے دنایع کے لئے دیکلیوں سے قانونی مشورے۔ رواہی خالص علم ہونے کے سبب پاکستان میں سب سے خالص تنظیم اسلامی جمیعتِ علماء کا ممبر ہوں۔ جب زینہاؤں کے لئے اس کی طرف دیکھتا ہوں تو ہمی کمانڈ سے حکم لٹتا ہے۔ یہ حکومت جمہوری قدر دل پر یقین نہیں رکھتی اس لئے محبت کی بجائے تشدید کی پالیسی ہماری رکھد کہ حق مالکنے سے نہیں بلکہ چینے سے ملتا ہے۔ اور سکول کی سیاست میں حصہ لینا بیرا بیزادی حق ہے اور یہ بھی میرا بیزادی حق ہے کہ

میں محبت فاتح عالم نہیں، بلکہ تشدید فاتح عالم ہے۔ حضرت مسیح دری اس پر مُصر ہیں کہ اسلام رحمۃ اللہ العلیہ وسلم کی شیرینی گرفتار سے نہیں بلکہ شمشیر خارہ شگافت سے پھیلا تھا۔

اپنے اس بات پر یقینِ حکم ہے کہ یہ شعر نبی آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی عکاسی کرتا ہے۔ سرکارِ دو عالم نے اپنے صحابہ کبار میں کے دل و دماغ میں اسلام کی اپنی سچائی کے متعلق واقعی یقینِ حکم پیدا کر دیا تھا۔

اس یقین کوئے کرو جب ان کی بخاطر مولیٰ علیہم السلام کی ناہ پر گامزی ہوئی تو نہ راستے میں آرام کے لئے کوئی طلباء تھا اور نہ راحت کے لئے کوئی دفعہ۔ انہیں حکم لتا ہے کہ جماد کے دن بھی — کہ عیاذ باللہ مولیٰ علیہم السلام ہے۔ — حرف نماز کے وقظہ کے لئے کافر زارِ حیات سے باقاعدہ روکو اور نماز کے فوراً بعد پھر وہی علیہم السلام ہے۔ سیرتِ صحابہ کرام میں ایک کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ آپ کو ان کے ۳۴ سالہ سنہرے دورِ حکومت میں بیکار بیٹھنے کا تصور ہی نہیں ملے گا۔ ان کے ہاں سرکاری تعطیلات کی فہرست شانش نہیں جاتی کہ تعطیلِ نو نام ہے محلِ بیہم میں نظریں کا آرام ہے۔ ان کا شعبہ دروز اس اعلان کی تصویر ہیں کہ

شم دم گفتگو گرم دم جستجو

یہ تو نہیں ان کی زندگی ہی سے اقبال نے کسی فیضِ ماملہ کر کے اس بلند خیال کا انہما کیا تھا۔ اب میری زندگی پر نگاہ ڈالنے کہ میں اس قوم کی امیدہ اور مستقبل ہوں۔

میں ساتویں کالائس کا طالب علم ہوں۔ سال کے ۴۲۵ دنوں میں ۲۵ چھٹیاں اتوار کرتا ہوں۔ قریباً ۹۰ چھٹیاں موسیمِ گرد کی ہوتی ہیں۔ ۵۰ دن میسم سراکی چھٹیاں منانہ ہوں۔ سال میں ۲۵ دفعہ ہی جماد کو آدمی چھٹی ہوتی ہے۔ نفرتی کے طور پر ۵۰ دن براۓ نام میں دوک کرتا ہوں۔ کچھ چھٹیاں امتحان کی نیاری کے لئے امتحان سے چند روز پہلے مل جاتی ہیں۔ کچھ امتحان کے بعد تباہ کے انتشار میں تاکہ فارغ وقت میں ہمتوں پر سیاسی اور سماجی دہاؤ ڈال کر اپنے نبرہوں سکوں۔ کچھ غیر حاضریاں مزوری کا اور بخار کے بھائی کرنا ہوں اور جب سکول میں حاضر ہوتا ہوں تو عین انہیں دنوں استاد بوجہ مزوری کا ہاڑی مختیز ہاضر ہو جانا ہے۔ ہر قدر ہمی سال کے آغاز میں کوئی کتابیں وفات پر نہ چھینے کے سبب کی روز تک سکول میں نئی فلموں پر تہرہ کرتا ہوں۔ پونیں کے الیکشن پڑھاتی کو الگ معطل کرتے ہیں۔ الیکشن کے بعد الیکشن کے ثرات ہیں۔ الیکشن کے دوران گرفتار ہونے والے طالب علم زہناؤں کی رہائی کے لئے جلسے کا انتظام اور جلوس کا اہتمام۔ دفعہ ۲۰۰۰ کی خلاف درزی میں گرفتار ہو کر عدالت کی پیشیاں۔ مخالف طالب کو زخمی کرنے کے سلسلے میں کبیں کی پیشی الگ۔ پھر اپنے دنار کے لئے دکیوں سے قانونی مشورے۔ روایتی طالب علم ہونے کے سبب پاکستان میں سب سے خالص تنظیم اسلامی جمیعت طلباء کا ممبر ہوں۔ جب رہنمائی کے لئے اس کی طرف دیکھتا ہوں تو ہمیں کمانڈ سے حکم لتا ہے۔ یہ حکومت جمہوری تحریک پر یقین نہیں رکھتی اس لئے محبت کی بجائے تشدید کی پالیسی چاری رکھ کر حق مالگئے نے نہیں بلکہ چھیننے سے ملتا ہے۔ اور سکول کی سیاست میں حصہ لینا میرا بیوادی حق ہے اور یہ بھی میرا بیوادی حق ہے کہ

میں اختلافِ رائے کی بنا پر اپنے ساختی کی پیشی میں جھپڑا گھونپ دوں۔ اُستاد کو گھبیان سے پکڑ لول۔ دفعہ ۳۲۳ کی خلاف ورزی میں مٹرکوں پر نکل اؤں۔ بسوں کے شیشے تکڑوں افہم۔ ایک سیاسی جماعت کا آکار بنتے ہوئے آئینی اور اخلاقی حدود کو مجھلا تک چاہوں۔

آپ نے دیکھ دیا کہ سال کے ۳۲۵ دنوں میں صرف ۷۵ دن ہی میں اپنے تعلیمی عمل کو چاری رکھ سکا۔ اور ۴۳ دن تعلیمی پالیسی بنانے والوں کی نذر ہو گئے۔ انہی حالات کو متنظر رکھتے ہوئے میں نے شروع میں کہا تھا کہ یہ عمل پہم کا حامل پیغام میرے لئے نہیں ہے۔ جہاں نے عمل کی سماجی اور سیاسی سطح پر سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جائے وہاں عمل پہم کے پیغام کو کون سنے گا۔

اس سب کے باوجود میں آپ کو یقینی دلتا ہوں کہ سکول جانے والے قریباً ایک کروڑ پاکستانی پہچنیں حکم کے لئے بے قرار۔ عمل پہم کے لئے بے چین اور اٹھا بڑھت کے لئے بے تاب ہیں۔

ذمہ نام ہو تو یہ منٹی بڑی ذریعہ ہے ساقی

ہم طالب علم سال کے ۴۵ دن ہی عمل پہم کا نمونہ بننا چاہتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں چھپی کا کوئی لقصہ نہیں۔ اس لئے ہم اپنی تعلیم کے دو دن کسی چھپی کا مطالیہ نہیں کریں گے۔ یاد رکھے! ہم قوم کے مستقبل کے معمار ہیں۔ ہماری تربیت کا بار آپ کے نہ ہوں پر ہے۔ اگر آپ نے ہمیں موجودہ بے عمل کی فضائے نکال کر عمل پہم کے ساتھ میں نہ ڈھالا۔ یقینی مکام کا جسم اور محبت کا نمونہ نہ بنایا تو کل کو خدا کے ہاں آپ کو اس کا جواب دو ہونا بڑی سے کام ہمیں تو معصوم سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا مگر آپ تو عاقل و بالغ ہیں۔ آپ کو فسا عذر پیش کریں گے؟

میرے بندگ سامعین رام! میں خدا کے نام پر آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ میرے سامنیوں اور اپنے بھوپوں کا مستقبل محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی بتا چاہتے ہیں۔ دین اسلام کا احیاء چاہتے ہیں تو ان درستگاہوں میں موجودہ نظام تعلیم کو ہوں دیکھ بجھت و اخت کی تعلیم دینے کی بجائے لفترت اور تشدد کی تربیت دیتا ہے اور اگر ملکی نظام تعلیم کو بدلتا آپ کے بس میں نہیں تو کم از کم اذکم طموع اسلام کے مجرم کالج ہی کو قائم کر دیجئے اور اس موقع کو عینت جانیجئے کہ الجھی آپ کو کوئی

اس مرد خود آگاہ و خواست کی صحبت

میسر ہے جس کی راہنمائی آپ کی منزل کو قریب سے قریب رکر دے گی۔ موجودہ حالات میں ہی کالج، اقبال کے خواب کی ہی تحریر اور تحیل کی منہ بولتی تصوریں سکتا ہے۔ اگر آپ نے پروپریتی صاحب کے دہن ترکی اور کنوینش کے خطاب سے کہہ سمجھ لیا کہ ہمارا فرضی ادا ہو گیا اور قوم کے مستقبل سے اغراض برستے ہوئے ایسے قیمتی مواضع کو کوئی لشمند و گفتمند و برجاستند کی نہ کر دیا تو یاد رکھئے۔

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

میں اختلافِ رائے کی بنا پر اپنے ساختی کی پیشگوئی میں جھوٹا لگھونپ دوں۔ اُستاد کو مجہبیان سے پکڑا گواں۔ دفعہ ۳۴۳ کی خلافِ درندی میں سڑکوں پر نکل آؤں۔ رسول کے شیخے توڑوں اور ایک سیاسی جماعت کا آگرہ کار بنتے ہوئے آئینی اور افلاطی حددود کو مجہل نگاہ چاؤں۔

آپ نے دیکھ دیا کہ سال کے ۵۲۵ دنوں میں مرف ۷۵ دن ہی میں اپنے تعلیمی عمل کو جاری رکھ سکا۔ اور ۴۳ دن تعلیمی پالیسی بنانے والوں کی نذر ہو گئے۔ انہی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مشروع میں کہا تھا کہ یہ عمل پیغمبر کا حامل پیغام میرے لئے نہیں ہے۔ جہاں ہے عمل کی سرکاری اور سیاسی سطح پر سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جائے وہاں عمل پیغمبر کے پیغام کو کوئی نہ سنے گا۔

اس سب کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سکول جانے والے فریباً ایک کروڑ پاکستانی نے یقین حکم کے لئے بے قرار۔ عمل پیغمبر کے لئے بے چین اور اظہارِ محبت کے لئے بے تاب ہیں۔

ذرا نعم ہو تو یہ مٹی بڑی فدختیز ہے ساقی

ہم طالب علم سال کے ۴۵۳ دن ہی عمل پیغمبر کا نوشہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں جھپٹی کا کوئی تصور نہیں۔ اس لئے ہم اپنی تعلیم کے دوران کسی چھپتی کا مطلع یہ نہیں کریں گے۔ یاد رکھئے: ہم قوم کے مستقبل کے معمار ہیں۔ ہماری تربیت کا یار آپ کے کندھوں پر ہے۔ اگر آپ نے ہمیں موجودہ ہے عمل کی فضائے نکال کر عمل پیغمبر کے ساتھ میں نہ ڈھالا۔ یقین حکم کا جسم اور محبت کا نوشہ نہ بنایا تو محل کو خدا کے ہاں آپ کو اس کا جواب دہ ہونا پڑیے گا۔ ہمیں تو معصوم سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا مگر آپ تو عاقل و بالغ ہیں۔ آپ کو فسا عذر پیش کریں گے؟

میرے بندگ سامعینِ کرام! میں خدا کے نام پر آپ سے اپیل کر رہا ہوں کہ اگر آپ میرے ساتھیوں اور اپنے بھوپل کا مستقبل محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی بنا چاہتے ہیں۔ دن اسلام کا اجیا چاہتے ہیں تو ان درسگاہوں میں موجودہ نظام تعلیم کو بھل دیجئے جو محبت و اخوت کی تعلیم دینے کی بجائے نفرت اور تشدد کی تربیت دیتا ہے اور اگر ملکی نظام تعلیم کو بدلتا آپ کے لیس میں نہیں تو کم از کم ملک اسلام کے مجوزہ کا لمحہ ہی کو قائم کر دیجئے اور اس موقع کو غینہت جانیجئے کہ الجھی آپ کو کوئی

اس مرد خود آگاہ و خواست کی صحبت

میسر ہے جس کی راہنمائی آپ کی منزل کو قریب سے قریب رکر دے گی۔ موجودہ حالات میں ہی کافی، اقبال کے خاب کی سچی تحریر اور تخلیل کی منہ بولتی تصویر بن سکتا ہے، اگر آپ نے پروپریتی صاحب کے دہنِ قرآن اور کمزونش کے خطاب سن کر یہ سمجھ لیا کہ ہمارا فرض اور قوم کے مستقبل سے اغراض برستے ہوئے ایسے قیمتی مواقیع کو ہدایت شنند و گفت شنند و برخاستند

کی نذر کر دیا تو یاد رکھئے۔

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

۱۔ نفخانی اکبر

عترم صدر صاحبہ، قابل احترام بھائی، بزرگ، بہنوں اور بھائیوں!

سائنٹ کی ایک طالبہ علم ہوتے کے ناطے سے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ یقین پختہ اُسی چیز پر ہو سکتا ہے جو تجربے سے درست ثابت ہوئی ہو اور بار بار کے تجربے سے وہی نتائج برآمد ہوئے ہوں — تجربہ نتیجہ ہوتا ہے ایک ذہنی خیال پر عمل کرنے کا۔ وہ ذہنی خیال جسے سائنس کی زبان میں (HYPOTHESIS) کہتے ہیں۔ گریا تجربہ (EXPERIMENT)

ہدایت خود عمل ہے۔ تجربے سے ہدایت کیہے اخذ کیا جاتا ہے اس سے ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو اس کو درست یا غلط ثابت کرتا ہے۔ نتائج اخذ کرنے کے لئے دیکھنا، سنجھنا، سنجھنا مزدودی ہوتا ہے — قرآن پاک بھی ابھی درائیع علم کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں دیکھنے، سنبھالنے اور سنجھنے کی طاقتیں دیں تاکہ تم کائنات پر عز و نکر کرو۔ حواسِ تذہب دیتا کہ تم اور پھر سے حاصل کردہ مواد سے نتائج اخذ کر سکو۔ اور علم کا دوسرا سرچشمہ جو ال سب سے محنت اور ہے وہ ہے دھی کا دیا ہوا علم جس پر ہر عومن کا ایمان ہے — اور اس ایمان کے بغیر کوئی حرکت، کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نیک عمل کے لئے آخر ایمان کی کیا ضرورت ہے؟ نیک عمل ایمان کے بغیر بھی ہو سکتے ہیں — ثبوت کے طور پر وہ (NON-BELIEVERS) کے اچھے احوال یعنی، نیک، مکرور عومن تاثرانوں سے ہمدردی، بیمار انسانیت کے لئے بھلائی کے کاموں کی مثالیں دیتے ہیں۔ میں کہتی ہوں نیک عمل تو ایک طرف یہ رسمی عمل بندک کسی بھی عمل کے لئے ایمان — جو یقینی حکم ہی کا درست نام ہے، لازمی شرط ہے — اگر ایک چور کو یقین نہ ہو کہ وہ جہاں چوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہاں سے اسے مال مزدود ہے گا تو وہ کبھی پہلا قدم بھی اس طرف نہیں ٹھہرائے گا۔ اگر نقب لگانے والے کو یہ یقین نہ ہو کہ وہ پکڑا نہیں جائے گا تو وہ نقب لگانے سے پہلے سو بار سوچے گا — پہلا قدم اٹھانے سے پہلے بھی یقین کی ضرورت ہوتی ہے — یہ اور بات ہے کہ آپ اسے اللہ پر ایمان نہیں، طائفت پر شیطان پر ایمان کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح نیک قدم اٹھانے سے پہلے بھی یہ یقین ہوتا ہے کہ میرا یہ عمل ایک نتیجہ مزدود پیدا کرے گا۔ یہ عمل اگر فوری طور پر نتیجہ تیز نہیں چلتا تو آئندہ زندگی میں اس کا نتیجہ مزدود سامنے آئے گا۔ بھی آخرت پر ایمان ہے۔ بھی یوں ٹھہنون بالغیت کا مطلب ہے — اس لئے مومن ایسے کام بغیر کسی جھگٹ کے۔ بغیر کسی شک و شبہ کے۔ مگر لزومی ہیں۔ جن میں ایک عام ادمی کو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، خالدہ تو کیا مزدوج نقصان نظر آتا ہے۔ مگر اس کے دل میں یہ یقینی حکم ہوتا ہے کہ یہاں نقصان اٹھانا بہتر ہے یہ نسبت آخوندی میں خدا کے دو بڑے نشرمنہ ہوتے کے — بھی مزدود ہے ایمان کی۔ نیک احوال کے لئے (NON-BELIEVERS) اگر کوئی نیک کام کرتے بھی ہیں تو ان کے میش نظر انہا کوئی مقاد مزدود ہوتا ہے ایسا کے برعکس اگر نیک کاموں میں نامود ہی نامہ نظر آئے تو پھر کسی کو کیا مزدود ہے کہ وہ نقصان بھی اٹھائے اور کھر کی تہمت بھی اپنے سر لے۔ اگر ایک کسان کو یہ یقینی شر جو کہ یہ دلتے جو بہترین فضل کے دلتے ہیں زہیں میں بو کرو۔ ایک مقررہ حدت کے بعد اس سے سیکھو عمل بڑا ہو گناہ کا دلتے حاصل کرے گا تو وہ کبھی ان والوں کو زہیں میں نہ ڈالے۔ کبھی مزدوروں کی بند

۱۔ نخمنی اگر

محترم صدر صاحب، قابل احترام بھائی، بذرگو، بہنوں اور جماعت!

سائن کی ایک طالب علم ہونے کے ناطے سے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ یقین پختہ اُسی چیز پر ہو سکتا ہے جو تجربے سے درست ثابت ہوئی ہو اور بار بار کے تجربے سے وہی نتائج برآمد ہوئے ہوں ۔۔۔ تجربہ نتیجہ ہوتا ہے ایکہ ذہنی خیال پر عمل کرنے کا۔ وہ ذہنی خیال جسے سائنس کی زبان میں (EVIDENCE) کہتے ہیں۔ گریا تجربہ (EXPERIMENT) بذات خود عمل ہے۔ تجربے سے ہد کچھ اخذ کیا جاتا ہے اس سے ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو اس کو درست یا غلط ثابت کرتا ہے۔ نتائج اخذ کرنے کے لئے دیکھنا، سشن، سنجھنا اور دیکھنے کے لئے دیکھنے کی طاقتیں دیں تاکہ تم کائنات پر حکم دنکرو۔ حواس قلب دیتا کہ تم اور پھر سے حاصل کردہ مواد سے نتائج اخذ کر سکو۔ اور علم کا دوسرا سرحد شہ جو ان سب سے مختلف ہے وہ ہے دھی کا دیا ہوا علم جس پر ہر مومن کا ایمان ہے ۔۔۔ اور اس ایمان کے بغیر کوئی حرکت، کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نیک عمل کے لئے آخر ایمان کی کیا ضرورت ہے؟ نیک عمل ایمان کے بغیر بھی ہو سکتے ہیں ۔۔۔ ثبوت کے طور پر وہ (NON-BELIEVERS) کے اچھے اعمال سچ، نیکی، کمزوروں ناقلوں سے ہمدردی، بجاو انسانیت کے لئے بھلائی کے کاموں کی مثالیں دیتے ہیں۔ میں کہتی ہوں نیک عمل تو ایک طرف پرے عمل بندہ کسی بھی عمل کے لئے ایمان ۔۔۔ جو یقین مکمل ہو کر مسلمان ہے، لازمی شرط ہے ۔۔۔ اگر ایک چور کو یقین نہ ہو کہ وہ جہاں چوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ اس سے اسے مل ضرور سے گا تو وہ کبھی پہلا قدم بھی اس طرف نہیں ٹھہرائے گا۔ اگر نقطہ لگانے والے کو یہ یقین نہ ہو کہ وہ پکڑا نہیں جائے گا تو وہ نقطہ لگانے سے پہلے سو بار سوچے گا ۔۔۔ پہلا قدم اٹھانے سے پہلے بھی یقین کی ضرورت ہوتی ہے ۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اسے اللہ پر ایمان نہیں، لاخوت پر شیطان پر ایمان کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح نیک تدبیر اٹھانے سے پہلے بھی یہ عمل ایک نتیجہ ضرور پیدا کرے گا۔ یہ عمل اگر فوری طور پر نتیجہ تھیز نہیں چلکا تو آئندہ زندگی میں اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ بھی آخرت پر ایمان ہے۔ بھی یوں صون کا عقیبہ کا مطلب ہے ۔۔۔ اس سے مومن ایسے کام بخیر کسی جھکس کے۔ بغیر کسی لشکر و شہر کے۔ کر کر رئے ہیں۔ جن میں ایک عالم آدمی کو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، خالدہ تو کیا مرتضی لقصمان نظر آتا ہے۔ مگر اس کے دل میں یہ یقینوں مکمل ہوتا ہے کہ یہاں لقصمان اٹھانا ہنر ہے بہ نسبت آفرینی میں خدا کے رو برو شرمند ہونے کے۔ بھی ضرورت ہے ایمان کی۔ نیک اعمال کے لئے (NON-BELIEVERS) اگر کوئی نیک کام کرتے بھی ہیں تو ان کے پیش نظر اپنا کوئی مفاد ضرور ہوتا ہے اس کے پیش اگر نیک کاموں میں نامد و ہی فائدہ نظر آئے تو پھر کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ لقصمان بھی اٹھائے اور کھڑکی تہمت بھی اپنے سر لے۔ اگر ایک کسان کو یہ یقینی نہ ہو کہ یہ دلتے جو بہنیں فضل کے دلتے ہیں زہن میں بو کر دہ ایک مقررہ حدت کے بعد اس سے سینکڑوں بڑائیں گذازیاں دالتے ہیں خالی کرے گا تو وہ کبھی ان دلوں کو نہ ہوں ہیں نہ ڈالے۔ کبھی سرداریوں کی بحمد

کر دینے والی صحوں کو صحیتیں میدہل پلانے، پانی دینے بیس صالح نہ کرے۔ مرنے سے سوتے کچھی گرمیوں کی چلپالی و صوب میں جسم کو نہ جلاٹے۔ مگر وہ ایسا کرتا ہے۔ اس لئے کہ راستے خدا کے اس تالوں پر یقین حکم ہوتا ہے کہ یہ والی مقربہ ریکھ میوال کے بعد اسے فضل سے ملا مال کر دیں گے۔ اور اسے یہ بھی سخت یقین ہوتا ہے کہ وہ گندم بو رہا ہے تو یقیناً اسے گندم بھی کی فضل ملے گی۔ گندم کا دانہ، خدیا باجوہ کے قصل نہیں لائے گا۔ یہ ایمان ہے جو اسے عمل پر گستاخ رہتا ہے۔ مگر بعض اعمال ایسے بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر بیرونیں کرتے۔ وہاں ہمیں سائنسدان کی طرح دیکھنا ہو گتا رہتا ہے۔ مگر یہی میں استعمال ہونے والا خام ہاں تھیک، اور اصلی ہے۔ درست درجہ خوارت دیا گیا ہے۔ درست وقت تک جب ہم جہاں پہنچ کریں گے تو کہیں نہ کہیں کوئی غلطی نکل ہی آئے گی۔ ہماری لندگیوں ہیں بھی ایسی یادی ہوتی ہیں۔ ہم سمجھتے اپنی مرضی کے مطابق نہ دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں حالانکہ کہ اگر ہم خود کریں تو غلطی آخر کہیں ہماری اپنی بھی ہوتی ہے۔ انسانوں کی زندگی میں بھی اور قومی کی زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ کوئی تحریک اٹھتی ہے۔ ویسیستہ ہی دیکھتے ہر طرف پھیل جاتی ہے مگر بہت جلد وہ نتائج پیدا کئے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جذباتی تحریکیں، ہم مسلمانوں کا نو خاصا ہے۔ جب یہ تحریک آگے نہیں چل پاتی تو ہم وہ مسروق کو تقدیر کر کو۔ حالات کو کوستہ ہیں۔ ہر کسی کو کوستہ ہیں سوال نہیں اپنے۔ ہمارا نکم اکثر ہوتا ہے کہ ہم ثابت قدم نہیں رہتے۔ ہم بہت جلد اکتا کر رکھتے ہیں۔ ہم وہ عمل پیسیم نہیں کرتے جو اس کی کامیابی کے لئے ضروری تھا۔ دیواری کی نیابان میں بھر نیچجہ (۱۰۰) درجہ حرارت نے اور حصہ پہ دیتا تھا، چند ہی منٹ بعد وہ نیچجہ نہ دیکھ کر ہم مایوس ہو کر گیس کی شیخی، گل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر کچھ دبہ اور حرارت پہنچائی جاتی تو مطلوبہ نتائج سامنے آ جاتے۔ اسی لئے اکثر صرف عمل ہی نہیں عمل پیسیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان جلد اکتا جائے۔ کہے کہ میں پانی دیتا، رکھوں کرتا کرتا، اگری سروی جیتی تھک کیا ہوں۔ اب پورے نکل آئے ہیں۔ انہیں بڑھنا ہو گا تو خود بخود بڑھ جائیں گے۔ بہت سخت کرتی ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو نیچجہ ظاہر ہے، فصل تو کیا اس کا نیچجہ بھی صالح ہو جائے گا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس جہاں میں ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں کسی بات پر بھی ایمان نہیں ہوتا، کسی بات پر بھی یقین نہیں ہوتا۔ اول تیریات حکمی بھی نہیں۔ اللہ پر نہیں تو طاہوت پر ایمان ہو گا۔ اپنے آپ پر اپنے عوام اور حکمت عمل پر یقین ہو گا جس کے لئے وہ دنیا میں اپنے فائدے کے لئے کام کرتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہیں۔ مکمل بے عمل کی زندگی ہے تو ایسے مایوس لوگوں کی زندگی انسانوں کی نہیں جائزوں کی ہو سکتی ہے۔ اور ان کا عمل کسی ہمیشہ پتک کی طرح بغیر کسی مقدمہ اور سمت کے ہوا کے لئے پڑا بادل خواستہ فرام سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور یہ یقین حکم اور عمل پیسیم، اسی وقت انسانیت کے لئے بہتر اور معاون کے پیارا ہو سکتے ہیں۔ جس سبقتے کا لئے والوں کا دل انسانیت کی محبت سے بہر پڑے ہو۔ اگر ایسا نہیں تو یہ عمل دنیا میں ہے چینی اور بے اطمینانی میں افتاث کا موجب ہو سکتا ہے جو انسانیت کی جملائی کا نہیں، جیسے آجکل کی بڑی بڑی طاقتیں اور بڑے بڑے سیاستدانوں کا ہمیں عمل ہے۔ تو ہنروں اور بھائیوں! یہ ہے میری تاچیر سمجھ کے مطابق اس مقدمہ کا مفہوم جو آج کے مذکورے کا موجود ہے۔

کر دینے والی صحیح کو تھیں میں ہل چلانے، پانی دینے میں صالح نہ کرے۔ منے سے سوئے کم جی گرمیں کی چھپالنی و حرب میں جسم کو نہ چلا کے۔ مگر وہ ایسا کرتا ہے۔ اس لئے کہ اسے خدا کے اس قانون پر یقین مکمل ہوتا ہے کہ یہ دالجہ مقررہ ریکھدیاں کے بعد اسے فضل سے مالا مال کروں گے۔ اور اسے یہ بھی بخوبی یقین ہوتا ہے کہ وہ گندم لو رہا ہے تو یقیناً اسے گندم ہی کی فصل ملے گی۔ گندم کا دانہ، جو یا با جرسے کی فصل نہیں لائے گا۔ یہ ایمان ہے جو اسے عمل پر گستاخ ہے۔ مگر بعض اعمال ایسے بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر نتیجہ پیدا نہیں کرتے۔ وہاں ہمیں سائنسدان کی طرح دیکھنا ہو گا کہ تمہرے میں استعمال ہونے والے خام مال تھیک، اور اصلی ہے۔ درست درجہ حرارت دیا گیا ہے۔ درست وقت تک جب ہم جہاں پہنچ کریں گے تو کہیں نہ کہیں کوئی غلطی نکل ہی آئے گی۔ ہماری زندگیوں میں بھی ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ ہم نتیجہ اپنی مرضی کے مطابق نہ دیکھ کر ماں بوس ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر ہم عذر کریں تو غلطی آخر کہیں ہماری اپنی ہی ہوتی ہے۔ انسانوں کی زندگی میں بھی اور قبور کی زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ کوئی تحریک اُنٹھی ہے۔ ویکھتے ہی دیکھتے ہر طرف پھیل جاتی ہے مگر بہت جلد وہ تالیخ پیدا کئے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جذباتی تحریکیں، ہم مسلمانوں کا ترقی خاصا ہے۔ جب یہ تحریک آگے نہیں چل پاتی تو ہم دوسروں کو انقدر کو۔ حالات کو کوئی کوئی کسی کو کوئی سوائے اپنے۔ حالانکہ اکثر ہوتا یہ ہے کہ ہم ناہت قدم نہیں رہتے۔ ہم بہت جلد اکتا کر دیکھے ہو گت جاتے ہیں۔ ہم وہ عمل پہنچیں کرتے جو اس کی کامیابی کے لئے ضروری تھا۔ بیہار شہی کی زبان میں جد نتیجہ (۱۰۰) درجہ حرارت نے آؤڑھ گھنٹے بعد دیتا تھا، چند ہی منٹ بعد وہ نتیجہ نہ دیکھ کر سم مالوں ہو کر گیس کی بیتی، گھل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر کچھ دیرہ اور حرارت پہنچائی جاتی تو مطلوبہ تالیخ سلسلے آ جاتے۔ اسی لئے اکثر صرف مل ہی نہیں عمل ہر ہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان جلد اکتا جائے۔ کہے کہ میں پانی دنیا دنیا، رکھوں ای کرتا کرتا، اگر می سردی چھیندا تھا۔ اب پورے نکل آئے ہیں۔ اپنی بڑھنا ہو گا تو خود بخود بڑھ جائیں گے۔ بہت محنت کرنی ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو نتیجہ ظاہر ہے، فصل تو کیا اس کا نتیجہ بھی صالح ہو جائے گا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس جہاں میں ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں کسی بات پر بھی ایمان نہیں ہوتا، کسی بات پر بھی یقین نہیں ہوتا۔ اول تو یہ بات حکمی ہی نہیں۔ اللہ پر نہیں تو طاعت پر ایمان ہو گا۔ اپنے آپ پر اپنے عوام اور حکمت عمل پر یقین ہو گا جس کے لئے وہ دنیا میں اپنے فائدے کے لئے کام کرتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہیں۔ مکمل بے عمل کی زندگی ہے تو ایسے مالوں لوگوں کی زندگی انسانوں کی نہیں جائزیوں کی ہو سکتی ہے۔ اور ان کا عمل کثی بھلی پٹنگ کی طرح بغیر کسی مقدار اور سمت کے چوا کے کسخ پر، بادلِ نخاستہ خرام سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور یہ یقین حکم اور عمل پہنچ، اسی وقت انسانیت کے لئے بہتر اور معلمائی کے پیامبر ہو سکتے ہیں۔ جب کہ بڑی کامیابی کا انتہا والوں کا دل انسانیت کی محنت سے برباد ہو۔ اگر ایسا نہیں تو یہ عمل دنیا میں ہے چینی اور بے اطمینانی میں اتنا کام جس ہو سکتا ہے انسانیت کی بجلالی کا نہیں، جیسے آجھل کی بڑی بڑی طاقتی اور بڑے بڑے سیاستدانوں کا نہیں۔ تو ہنروں اور بھائیوں یہ ہے میری ناچیز نتیجہ کے مطابق اس مصروف کا مفہوم جد آج کے مداری کا مضمون ہے۔